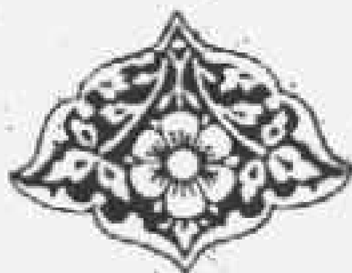
براءۃ عثمان رضی اللہ عنہ



مؤلفہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ صاحب اعلاء السنن



ناشر

مکتبہ صدیقیہ سبزی منڈی حضرو، ضلع اٹک

فہرست مضامین

نام کتاب ——— براءت عثمان رضؓ

مصنف ——— مولانا ظفر احمد عثمانی رحؒ

مطبع ——— زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

قیمت ——— ۶/۵۰ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد!

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم
چو غلامِ آفتابم، ہمہ ز آفتاب گویم

۱ــ نبی صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حرف بحرف پورا ہو رہا ہے کہ:۔
"آخر زمانہ میں اُمت پر آفات و فِتن کلیوں تا تا بندھ جائے گا، جیسے کالی رات میں وقت گزرنے پر ہلکے اندھیرے پر گہرے اندھیروں کی تہیں چڑھتی جاتی ہیں۔" کہ امن کا سانس لینا مشکل ہو جائے گا۔

آج اسلام پوری دنیا میں تخت و تاج اور دستور و قانون کے منصب سے معزول ہے۔ اور اہلِ اسلام فرنگی اور روسی دو اصولی دھڑوں کے ضمن میں انکارِ خدا و رسول، انکارِ کتاب و سنت، انکارِ ازواج و اصحابِ رسول کے مختلف ناموں، چہروں اور روپوں میں ظاہر ہونے والے ہر اندرونی و بیرونی انحراف و بغاوت کا صیدِ زبوں بن کر رہ گئے ہیں؛

۳ــــ توحید و رسالۃ اور کتاب و سنۃ پر یقین۔ اَزواج و اَصحابؓ رسول کے بیان کردہ اور عملاً برپا کئے ہوئے دین ہی کا دوسرا نام ہے۔ صحابہ ہی لفظِ اُمّۃ کا پہلا اور حقیقی مصداق و مظہر ہیں۔ اور رضوان و جنّۃ کی تمام بشارات کے اوّلین اور واقعی مستحق یہی حضرات مقدّسہ نبیؐ کی نسل اور معرکۂ طاعۃ و طاغوت کے سب سے پہلے اور سچے گواہ ہیں۔ ان کی تصدیق سے ہی قرآن و حدیث اور خدا و رسول کی تصدیق ہے۔ اور ــــ مَعَاذَاللّٰہ ــــ ان کی تکذیب سے ہی سب کی تکذیب۔ انہی حضرات کے ایمان و حقانیۃ کا اقرار بہ حکمِ خدا و رسول اُمّۃ کے لئے مدارِ اسلام و ایمان ہے اور ذریعۂ ہدایۃ و نجاۃ بھی۔ اور یہی حضرات باوجود غیر معصوم و غیر نبی ہونے کے بہ فرمان:

لَا تَتَّخِذُوْهُمْ مِنْ بَعْدِیْ غَرَضًا۔	میرے ساتھیوں کو میرے بعد نشانۂ تنقید نہ بنا لینا۔

ہر قسم کی تنقید و تردید اور تغلیط و تنقیص سے ہمیشہ کے لئے بالاتر ہیں۔ اور ان کا بدگو و بدخواہ دین و دنیا میں ہمیشہ کے لئے ذلیل و مردود ہو کر رہے گا۔ جیسے جڑ سے لے کر تنے، شاخوں، کونپلوں اور پھل پھول کے بنا کسی درخت کا اور سر سے لیکر پیر تک تمام سالم اعضاء و جوارح کے ساتھ متحرک پیکرِ خاکی کے سوی کسی زندہ انسان کا تصور غلط اور غیر ممکن ہے اسی طرح توحید و رسالۃ سے لے کر موت و حیوۃ شادی، غمی اور یومیہ معمولات تک میں شرعی رہنمائی کے لئے نائبینِ نبیؐ کی

حیثیت رکھنے والے حضراتِ ازواج واصحابِ رسول علیہم السلام کے سوئی
دینِ اسلام کے صحیح و مکمل ڈھانچے اور نمونہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا
نتیجۃً امامِ اوّلؓ و بلافصل سیدنا ۔ "اَبُوْبَکْرٍ" ۔ سے لے کر
جناب ۔ "وَحْشِیْ" ۔ بن "حَرْبٍ" تک جملہ صحابہ کرامؓ
قابلِ صد احترام و تکریم اور بعد از نبی سب سے زیادہ واجب الاطاعۃ
ہیں ۔ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ اَجْمَعِیْن !

۳ ـــ مُدّت سے مشاہدہ ہو رہا ہے کہ ہر دو چار سال بعد ایک نیا لیڈر
ایک نئی جماعت لے کر پیغمبرانہ دعاوی کے ساتھ نمودار ہوتا ہے
قوم کو صرف اپنی ہی دکان میں آبِ حیوٰۃ کا سراغ دیتا ہے لیکن چند
ہی دنوں میں اس کی قلعی کھل جاتی ہے اور ڈھاک کے تین پات
اس کی ساری تقریر و تحریر کا خلاصہ اصولاً اور صراحۃً یا ضمناً اور اشارۃً
تحریف و انکارِ کتاب و سنت نیز حقیقی اہلِ بیتِ رسول یعنی ازواجِ
مُطہراتؓ اور اصحابِ رسولؐ کے انکار و توہین کی صورت میں ظاہر ہوتا
ہے اور خوشنما نام ملمع کام کے دھوکے میں آئی ہوئی بدقسمت قوم پھر
ایک عرصہ کے لئے آزمائش کے چکر میں پھنستی اور حیرانی و پشیمانی کے
سراب میں کھو جاتی ہے ۔

۴ ـــ امیر "جماعتِ اسلامی پاکستان" جناب "سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب"
کو برسوں پہلے علماء حق نے اُنکی تحریر کے اعتقادی اور فقہی اغلاط اور
اُن کی تحریک کے دینی و اجتماعی نقصانات اور خامیوں پر ٹوکا تھا جسے

انھوں نے اُن کی پُوری جماعت نے بلکہ بہت سے بے خبر فریب خوردہ لوگوں نے بھی سخت برا مانا لیکن جلدی ہی حقیقت کھل گئی اور۔ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔ کا جادو سر پہ چڑھ کر بولنے لگا۔ اور پھر اپنوں بیگانوں حتیٰ کہ خود انھی کے جید و معتمد علیہ اراکین اور دست و بازو قسم کے اکابر نے بھی اپنے جماعتی مسلک سے توبہ کی اور یوں اہلِ حق کی تائید کے لئے غیبی تدبیر بروئے کار آ گئی۔ مگر بر حق ہو کر بھی مطعون ہوتے رہنا علماء کے لئے مقدر ہے سو وہ ہو کے رہا۔ قرآن حدیث اور فقہ و عقائد پر تفسیر، تفہیم و تعبیر اور تاویل و تجدید کے نام پر برسوں کی کرم فرمائی کے بعد اب امیر موصوف نے آخری عمر میں یارانِ رسول کے ایمان و عمل کو بھی خود تراشیدہ عقل و منطق کی ترازو میں باقاعدہ تولنا شروع کیا ہے۔ گو اس مہم کا آغاز بھی کئی برس پہلے سے ہو چکا ہے تاکہ زندگی بھر کی نیکیوں کی کسر پوری ہو سکے حالانکہ اس وطیرہ میں سراسر آخرۃ کا گھاٹا ہے۔ امام الشہداء و المظلومین، خلیفۂ سوم سیدنا عثمانؓ۔ مدبر اسلام سیدنا "عمروؓ بن العاص" اور امام عادل و برحق خلیفۂ پنجم سیدنا۔ "معاویہؓ" بن ابی سفیانؓ۔ "علی نبینا الصلوٰۃ والسلام وعلیہم السلام والرضوان" کو انہوں نے ایک تازہ اخباری و کتابی مضمون۔ "خلافت راشدہ سے ملوکیت تک۔" میں خصوصیت کے ساتھ حضرۃ حضرۃ کہہ کر خوب خوب کوسا ہے کیونکہ اتفاق سے سبائی تحریک میں بھی حضرۃ سیدنا

"مُغِیْرَہ" — بن — "شُعْبَہ" — رضی اللہ عنہ سمیت یہی تین بزرگ سرِ فہرست نشانہ اور زد پر ہیں۔ مزید سہولت یہ کہ یہود و مجوس کی مشترکہ سازش کے زیرِ اثر اسلامی لٹریچر میں صدیوں پہلے کی چھائی ہوئی غلط روایات کی شیطانی شہرت اور سبائیوں کے مرحلہ وار تسلط کو انہوں نے بغور سمجھا ہے پھر اپنی گہری منصوبہ بندی کے تحت نہ جانے کس مقصد کی تکمیل کے لئے بڑے سکون و اطمینان، خاموشی نیز بڑی ٹوہ اور بامعنی، مدبرانہ اور نتیجہ خیز تدریج کے ساتھ اپنی تقریر و تحریر اور [illegible] پالیسی کو غالیوں کے حضور ہدیۃً پیش کیا ہے یعنی رسماً سُنی کہلا کر بھی اُمت کے سوادِ اعظم کو بُری طرح مطعون و مجروح کر ڈالا ہے اور الحاد کی تائید کے لئے الہام کو استعمال کرنے کی غیر صالح کوشش کی ہے حالانکہ وہ بڑے ذہین فطین معلوماتی شخص ہیں اور حدیث

"مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" !

جس شخص نے کسی (غیر) قوم کو (کسی بھی ذریعہ سے) رونق و ترقی بخشی وہ (خدا کے ہاں) اسی قوم میں سے شمار کیا جائے گا۔!

اُن سے مخفی نہ ہوگی کہ اس کردار کا انسان عند اللہ و عند الناس غیر صالح اور غیر مُصلح ہی شمار ہوگا۔ داعیِ اسلام و قائد مسلمین ہرگز نہ کہلا سکے گا۔!

۵ — یہ مضمون چھپنے لگا تو ملک بھر میں لے دے شروع ہوگئی۔ اسی سلسلہ میں ہمارے کتابچہ کے مصنف حضرۃ مولانا — "ظَفَرْ اَحْمَدْ عُثْمَانِیْ" — مدظلہٗ نے عین وقت پر فرض پہچانا اور عذر کے باوجود دفاعِ حق کا حق

ادا کردیا۔ ہفت روزہ ـــ "شہاب" ـــ لاہور۔ میں آپ کا جوابی مضمون بالاقساط شائع ہونے لگا تو ہر طرف سے تعریف و تحسین ہونے لگی اور افسردہ و پریشان خاطر ملّت نے دعاءِ خیر سے حضرۃ کو یاد کیا۔ لیکن افسوس ہے کہ مدیر شہاب نے بھی بیک وقت اہلِ حق سے تعلق اور مبتدعین و روافض سے محبّت و تعاون کے معجونِ مرکّب ، اپنے ناقابلِ فہم معمول و مسلک کا مظاہرہ کیا چنانچہ موجودہ مذہبی و سیاسی موسم کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے اس جوابی مضمون کے جاندار حصّوں کو مخصوص مصلحۃ کے تحت غلط نتائج کے حامل تحریری جوڑ لگا کر اور بیسیوں سطور کو حذف و ترمیم کے خراد پر چڑھا کے قطعی بے ربط اور بے اثر بنا کر رکھ دیا۔

۳ ـــ "مجلسِ خدّامِ صحابہ" ـــ کے خدّام اس صورۃِ حال کا بہ غور جائزہ لے رہے تھے۔ انھوں نے صاحبِ کتاب بزرگ سے براہِ راست رجوع کیا۔ اور مکمل مضمون کو کتابی صورۃ میں شائع کرنے کی خواہش نیز اس کا نام رکھنے اور اسکی اشاعۃ کیلئے باقاعدہ اجازۃ دینے کی فرمائش بھی کردی جسے حضرۃ مصنف علّام نے بہ خوشی قبول فرما کر نہ صرف تحریری اجازۃ دی اور خود ہی نام رکھا بلکہ مضمون کا اصل مسوّدہ ارسال فرمادیا اور "شہاب" کے جن پرچوں میں مضمون چھپا تھا اُن سے مقابلہ کرکے محذوف اور خلط ملط کردہ مضمون کو اس کی حقیقی صورۃ میں امکانی تصحیح کے ساتھ شائع کرنے کی ہدایۃ بھی فرمادی جو بحمد اللہ اس وقت تکمیل و تصحیح کے بعد مجسّم ہو کر قارئین کے سامنے موجود ہے

۷ــــ حضرت مصنف برِصغیر ہند و پاک کی ایک معروف اور مسلمہ علمی شخصیت ہیں خصوصاً حدیث و فقہ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے حضرت حکیم الامۃ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بہت قریبی رشتہ مندی کا تعلق اور علمی و عرفانی رابطہ رکھتے ہیں۔ تحریر انتہائی جامع متین اور سلیس و عام فہم ہوتی ہے یہ کتابچہ اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ مشاجرات و اختلافات صحابہ جیسے خطرناک موضوع کے باوصف ایک مدعیٔ علم و قیادۃ کی تمام متعصبانہ اور جارحانہ تحریری چالوں کا مکمل و مدلل جواب بھی دیا ہے اور صحابہ کے متعلق کتاب و سنۃ کے اصول کی جگہ تاریخ و سیرۃ کی ضعیف و موضوع روایات کے سہارے کی گئی۔ قلمی شعبدہ بازیوں کا پردہ بھی چاک کر ڈالا ہے لیکن کہیں بھی قلم بہکا نہیں بلکہ اصولِ شریعۃ کی مکمل پابندی کا نہایۃ بلند معیار اور اہلِ علم و اہلِ حق کے شایانِ شان مظاہرہ کیا ہے۔ فریقِ مخالف پر کوئی ناجائز گرفت تک نہیں کی چہ جائیکہ کسی بے جا تشدد یا طنز اور سب و شتم کی آلائش سے قلم کو آلودہ کیا ہو؟ جبکہ حریف نے یہ گندگی صحابہ پر اچھالنے تک سے بھی گریز نہیں کیا۔ فَشَتَّانَ بَيْنَهُمَا۔!

۸ــــ اس رسالہ کی اشاعۃ انشاءاللہ تعالیٰ "مجلسِ خدامِ صحابہ پاکستان (ملتان)" اور اس کے خدام و معاونین کی بہترین خدمات و حسنات میں شمار ہوگی اور اس کے مصنف علام کے لئے دین و دنیا کی سرفرازیوں کا ذریعہ۔ کیونکہ جب ایک عام مظلوم، چاہے وہ کافر ہو یا مسلم اس کی حمایۃ قابلِ تحسین و اجر بنا دیتی ہے۔ تو پھر گواہانِ وحی اور رسالۃ اور

نائبینِ پیمبر علیہم السلام کے عزۃ و ناموس کے لئے قولی، قلمی اور عملی جہاد تو یقیناً اس سے کروڑوں گنا زائد رحمۃ و نصرۃِ خداوندی کا مستحق بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس پس منظر و پیش منظر مذکورہ اسبابِ تحریر اور اِشاعتی تحریکات کو اپنی اُمید و آرزو کا پیمانہ بنا کر عقائد و حقائق کا یہ علمی مرقع نیز فضائل و مناقب اور براہین و دلائل کا یہ حسین دینی گلدستہ قوم کے سامنے حاضر کیا جا رہا ہے۔ مقدر والے اس کے حُسنِ ظاہر و جمالِ باطن سے محظوظ ہوں گے، خوش نصیب وہ ہیں جو اس کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ دار و مُعاون بنیں تاکہ دیگر شرور و فتن سمیت سبائیوں کی مُفسِد و ناپاک تحریک کا مناسب سدِ باب کیا جا سکے۔ اور غافل یگانوں اور خویش نما بیگانوں کی آنکھیں کھُل سکیں۔!

وَآخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنْ

راقمُ السّطور: غلامِ بارگاہِ رسول و ازواج و اصحابِ رسول

★ فقیر سیّد — اَبُو معاوِیہ — اَبُو ذَر — الحسنی البخاری ★

• کاشانۂ معاویہ ۔ ۲۳۲ کوٹ تغلق شاہ ۔ مُلتان شہر •

—: دوپہر سہ شنبہ :—

— ۲۶/۸/۸۵ھ — ۲۱/۱۲/۶۵م —





DARUL ULOOM-UL-ISLAMIA
TANDO ALLAYAR—
HYDARABAD (PAK).

DATE ....

مکرمی! مولانا ابوذر بخاری دام لطفہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

جناب کا رجسٹری لفافہ موصول ہوا تھا۔ بوجہ ناسازئ طبع جواب میں قدرے تاخیر ہوگئی۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی برأت میں جو مضمون "شہاب" میں چھپا ہے، آپ بخوشی اس کو کتابی شکل میں شائع کرسکتے ہیں۔ مگر شہاب میں یہ مضمون پورا نہیں چھپا۔ اس لئے اپنے مسودہ کی نقل بذریعہ رجسٹری بک پوسٹ ارسال کر رہا ہوں۔ پیش لفظ بھی اس کے ساتھ ہوگا بلکہ پیش لفظ اس خط کے ساتھ ہے۔

"شہاب" کے ۲۶ ستمبر کے پرچہ میں کالم ایک پر حاشیہ کے نیچے یہ لفظ قلم زد کر دیا جائے — "اپنی موجودہ بیوی کے بیٹے" اور اس کے بعد "لڑائی کرنے پر تلے ہوئے تھے" کے آگے یہ عبارت بڑھا دی جائے۔

"شاید اس کا سبب کثرت رائے کا غلبہ ہوا ہو"!

مسودہ کی نقل جو ارسالِ خدمت ہے، طالب علم کی لکھی ہوئی ہے

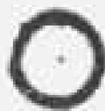
اس لئے اس کا مقابلہ "شہاب" کے پرچوں سے کرلیا جائے تو کاتب کو سہولت ہوگی اور مقابلہ ہی سے معلوم ہو جائے گا کہ بعض مقامات پر "شہاب" میں کچھ عبارت کے حذف ہونے سے مضمون بے ربط ہو گیا ہے۔ اس لئے کتابی شکل میں اس مسودہ سے کتابت کرائی جائے۔ آپ حضرات اہل علم ہیں۔ ناقل کی غلطیوں پر خود واقف ہو جائیں گے۔ "شہاب" بھی سامنے رکھا جائے امید ہے کہ آپ بہمہ وجوہ مع الخیر ہوں گے۔ والسلام

دعاگو و دعا جو

ظفر احمد عثمانی

عفا اللہ عنہ!

۲۸ رجمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بَرَاءَتِ عثمانِ ذُوالنّورَین

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ

۱۔ بعد الحمد والصلوٰۃ! گیارہ سال پہلے جب میرا قیام ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ میں تھا مجھے اس وقت انگریزی تعلیم یافتہ طلبہ سے معلوم ہوا تھا کہ جو تاریخ اسلام ان کو کالجوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ اُس سے حضرت مُعاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے متعلق طلبہ کے ذہنوں میں اُن سے بدگمانی ہی بڑھتی ہے۔ حُسنِ ظن پیدا نہیں ہوتا حالانکہ دونوں صحابی ہیں جن سے ہر مسلمان کو اعتقاد اور تعظیم کے ساتھ حُسنِ ظن رکھنا لازم مگر یہ خبر نہ تھی کہ اس جماعت کے بعض لوگوں کو حضرت عثمان ذُوالنّورین رضی اللہ عنہ سے بھی بدگمانی ہے جس کا انکشاف اسی قریب عرصہ میں ہوا ہے

۲۔ بہر حال میں نے قیام ڈھاکہ ہی میں ایک رسالہ بنام ۔ "کفُّ اللِّسَانْ عَنْ مُعَاوِیَۃَ بْنِ اَبِی سُفْیَانْ" لکھا تھا مگر افسوس کہ وہ مسودہ ہی کی صورت میں رہا۔ طبع نہ ہو سکا۔ جس دوست کو صاف نقل کرنے کے لئے مسودہ دیا گیا۔ اس نے مدت تک تو نقل شروع نہ کی اور جب میں نے تقاضا شدید کیا تو کہا کہ کثرت بارش کی وجہ سے میری کتابیں بہت بھیگ گئیں اور آپ کا مسودہ بالکل ہی خراب ہو گیا کہ پڑھنے میں نہیں آتا۔ پھر اس مضمون پر قلم اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی

۳ــــ اسی تقریب عرصہ میں بعض رسالوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تنقید نظر سے گذری تو دل میں تقاضا ہوا کہ اس تنقید کا جواب لکھوں۔ اور براءتِ عثمان کے ساتھ حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے متعلق جو غلط فہمی نو تعلیم یافتہ طبقہ کو ہو رہی ہے اس کا بھی ازالہ کر دوں چنانچہ یہ رسالہ آپ کے سامنے ہے۔ امید ہے کہ اس سے ان تینوں حضرات کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔

۴ــــ اللہ تعالےٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں اور سب مسلمانوں کو سلف کی محبت و تعظیم کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔ آمین

۵ــــ (اخبار ہفت روزہ) "شہاب" (لاہور) کی چند اشاعتوں میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ذی النورین کی براءت کے متعلق مضامین نظر سے گذرے جن سے معلوم ہوا کہ بعض "صحافی علماء" نے انکی شان میں ایسے کلمات استعمال کئے ہیں جو نا زیبا ہیں۔ دل میں اسی وقت تقاضا ہوا کہ اس موضوع پر کچھ لکھوں کیونکہ "شہاب" میں اجمالی تبصرہ پر اکتفا کیا گیا ہے تفصیل سے کلام نہیں کیا گیا۔ مگر چند وجوہ سے تاخیر ہوئی۔ ایک تو یہی بخار میں چند روز مبتلا رہا۔ اس سے افاقہ ہوا تو جن کتابوں کی ضرورت تھی جن پر مفصل کلام موقوف تھا۔ اس وقت میرے پاس نہ تھیں۔ پھر دل نے فیصلہ کیا کہ اسی حالت میں کچھ لکھ دوں۔ امید ہے کہ اس مضمون کی برکت ہی سے دولتِ صحت و اطمینان نصیب ہو جائے کیونکہ اہل اللہ کے ذکر سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں پھر ان کا ذکر خود بھی لذیذ اور بابرکت ہے

یادِ یاراں یار را میموں بُوَدْ
خاصہ کاں لیلیٰ وُ ایں مجنوں بُود
بازگو از نجد و از یارانِ نجدْ
تا در و دیوار را آری بہ وَجدْ

اور کتابوں کا اس وقت پاس نہ ہونا جو مانع تھا، اس کے بارے میں دل نے یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ مجھے یاد ہے اس کو یاد ہی سے لکھ دوں۔ مخاطب اہلِ علم ہیں۔ وہ خود کتابوں سے مراجعت کریں گے۔

اس وقت میں جو کچھ لکھ رہا ہوں۔ اس کا ماخذ ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری کی کتاب — "اَلْفِتْنَۃُ الْکُبْریٰ" — اور تاریخ طبری اور "کامل ابن الاثیر" اور "تاریخ ابن کثیر" — اور منہاجُ السُّنّۃ علامہ ابن تیمیہ، "ازالۃ الخفاء" "وفاء الوفا للسّمہودی" — کنز العمال وغیرہ ہے اور یہ کتابیں اس وقت میرے پاس نہیں۔ جو کتابیں میرے پاس ہیں ان کا نام معہ حوالہ صفحات کے دے دیا جائے گا۔ عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ

رَبَّنَا اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ وَالْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ

وَالسّلام ★

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۸ ربیع جمادی الثانیہ ۱۳۸۵ھ

مقدمہ کے طور پر چند باتیں!

جواب لکھنے سے پہلے چند باتیں بطورِ مقدمہ کے عرض ہیں :-

ا۔ علامہ ابن تیمیہ نے منہاج میں اور علامہ ابن القیم نے "زاد المعاد" میں اور جملہ محدثین نے اصولِ حدیث میں اس کی تصریح کی ہے کہ اخبار و سیر کی سب روایتیں معتبر اور حجت نہیں۔ صرف وہی معتبر ہیں جو سند کے ساتھ بیان کی جائیں اور سند صحیح ہو۔

ب۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی بھی تنقید سے بالا نہیں۔!"

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر کس و ناکس کو ہر شخص پر تنقید کا حق حاصل ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ پر تنقید کر سکتا ہے یا اپنے مساوی پر۔ ادنیٰ کو اعلیٰ پر، جاہل کو عالم پر، غیر مجتہد کو مجتہد پر۔ غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق نہیں۔!

ج۔ صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق ہے۔ مگر وہاں بھی اول سند کو دیکھا جائے گا کہ روایتِ تنقید کی سند بھی صحیح ہے یا نہیں؟ پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ جس صحابی پر تنقید کی گئی ہے اس نے

اس کا کچھ جواب دیا ہے یا نہیں ؟ اگر جواب دیا ہے تو تنقید کو رد کر دیا جائے گا۔ اور جواب نہیں دیا ہے تو دونوں صحابیوں کے درجات میں نظر کی جائے گی کہ دونوں میں سے اعلیٰ و افضل اور اَسْبَق کونسا ہے۔ اگر ایک دوسرے سے افضل و اَسْبَق ہے تو ادنیٰ کی تنقید کو رد کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں کا درجہ مساوی ہے تو ہم کو یہ کہکر الگ ہو جانا چاہیئے کہ دونوں بڑے ہیں۔ وہ جانیں اور ان کا کام۔ ہم کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔

د — صَحَابۂ بَدرِیِّیْن سب سے افضل ہیں۔ اور ان میں عشرہ مبشرہ بقیہ سے افضل ہیں۔ اور عشرہ مبشرہ میں شیخین دوسروں سے افضل ہیں۔ ان کے بعد حضرت عثمان پھر حضرت علی۔ رضی اللہ عنہم!

ہ — صحابہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اِن احادیث کو پیش نظر رکھنا چاہیئے :-

(۱) اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ! (رَوَاہُ رَزِیْن۔ مِشْکوٰۃ) — میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کا اتباع کرلو گے، راہ پالو گے!

(۲) اَللّٰهَ! اَللّٰهَ! فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِیْ! (رَوَاہُ التِّرْمِذِیْ) — میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ میرے بعد ان کو ملامت اور طعن کا نشانہ نہ بنانا۔!

صحابہ کے بارے میں گفتگو ادب کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ کوئی ایسا لفظ زبان یا قلم سے نہ نکالا جائے جس سے کسی صحابی کی تنقیص لازم آئے۔

(۳) اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عُدُوْلٌ ! | تمام صحابہ صحیح حاملِ دین اور قابلِ اعتماد ہیں !

اہلِ سُنّت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

حضرتِ عثمانؓ کی شان

اب میں حضرت ذوالنورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے متعلق ان باتوں کا جواب دینا چاہتا ہوں جو بعض رسائل میں بہ طور تنقید کے لکھی گئی ہیں اور مدافعت سے پہلے اُن کی وہ عظمتِ شان بھی ظاہر کروں جو صحابہ کی نظر میں تھی۔ یہ اُن مناقب و فضائلِ عثمان کے علاوہ ہے جو بابُ المناقب میں محدثین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کئے ہیں:-

۱۔ ابنِ سعد نے ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کا وقت قریب دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا چنانچہ حضرت عثمانؓ کو بلا کر فرمایا کہ :-

"(حضرت) عمر کے متعلق اپنی رائے بیان کرو!"

انہوں نے کہا کہ :-

"آپ تو اُن کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں !"

فرمایا : "پھر بھی تم اپنی رائے ظاہر کرو !"

حضرت عثمان نے فرمایا کہ :-

"بخدا جہاں تک میں جانتا ہوں، ان کا باطن ظاہر سے بھی اچھا ہے اور ہمارے اندر اُن جیسا کوئی نہیں ہے۔"

حضرت صدیق نے فرمایا :-

"اللہ تم پر رحم کرے۔ واللہ! اگر میں عمر کو چھوڑ دیتا تو ان کے بعد تم کو نہ چھوڑتا !" (حیاۃ الصحابۃ - ج ۲ - ص ۹)

فائدہ :- اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت صدیق کے نزدیک حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ ہی خلافت کے لائق تھے!

۲- لالکائی نے عثمان بن عبداللہ بن عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) سے روایت کی ہے کہ جب حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عثمان بن عفانؓ کو بلایا تاکہ اپنے بعد کسی کیلئے خلافت کی وصیت لکھوائیں۔ وصیت نامہ ابھی کچھ لکھوایا ہی تھا کہ حضرت صدیق پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ ابھی تک کسی کا نام نہیں لکھوایا تھا تو حضرت عثمان نے خود ہی حضرت عمر کا نام لکھدیا۔ جب حضرت صدیق اکبر کو افاقہ ہوا، حضرت عثمان سے پوچھا، تم نے کسی کا نام لکھ دیا ہے ؟ فرمایا :-

"مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ پر یہ غشی موت کی غشی نہ ہو، اور اختلاف و افتراق

پیدا نہ ہو جائے، اس لئے میں نے حضرت عمر کا نام لکھ دیا۔"

حضرت صدیق نے فرمایا :۔

"اللہ تم پر رحم کرے اگر تم اپنا ہی نام لکھ دیتے تو یقیناً تم اس کے اہل تھے !" احیاءۃ الصحابہ ۔ ج ۲ ، ص ۲۲

فائدہ :۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت صدیقؓ کو حضرت عثمانؓ کی اہلیت خلافت پر پورا اعتماد تھا !

۳۔ ابن جریرؒ نے محمد و طلحہ و زیاد رضی اللہ عنہم سے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر (مدینہ سے) لشکر کے ساتھ نکلے اور ایک چشمہ پر جس کا نام "صرار" تھا پڑاؤ کیا۔ لوگوں کو کچھ معلوم نہ تھا کہ یہاں سے آگے جائیں گے یا اسی جگہ قیام کریں گے ؟ اور جب حضرت عمر سے لوگ کچھ دریافت کرنا چاہتے تو حضرت عثمان کو واسطہ بناتے یا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو۔ حضرت عمر کی خلافت میں حضرت عثمان کو ردیف کہا جاتا تھا جس کے معنی لغت عرب میں پیچھے (آنے والے) کے ہیں۔ اہل عرب ردیف اسکو کہتے ہیں جس کے بارے میں یہ امید ہو کہ اس سردار کے بعد یہ سردار ہو گا۔ اگر کبھی یہ دونوں حضرات کسی بات کو حضرت عمرؓ سے معلوم نہ کر سکتے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو واسطہ بناتے چنانچہ حضرت عثمان نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ :۔

"آپ کو کوئی نئی خبر پہنچی ہے (جس کی وجہ سے آپ لشکر کو یہاں لائے ہیں) آپ کا ارادہ کیا ہے ؟"

تو آپ نے نماز کیلئے جمع ہونے کا اعلان کیا جب سب لوگ جمع ہو گئے

تو آپ نے واقعہ بتلایا (کہ مقام نہاوند پر فارس کا بڑا لشکر جمع ہے اور کسریٰ خود میدان میں آگیا ہے، اب بتلاؤ کیا کرنا چاہیئے؟) لوگوں نے کہا، آپ ضرور چلیں، اور ہم کو بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔۔۔ الخ (یہ ایک طویل حدیث ہے)۔!

فَائِدَہ:۔ مجھے اس اثر سے یہ بتلانا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی ہی میں لوگوں کی نظریں حضرت عثمانؓ پر تھیں کہ حضرت عمرؓ کے بعد یہی خلیفہ ہوں گے۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عمر نے اپنی وفات کے قریب مسئلۂ خلافت چھ حضرات کے سپرد کر دیا کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا دیں۔ اور ان چھ حضرات نے عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو اختیار دے دیا کہ حضرت عثمان اور حضرت علی (رضی اللہ عنہما) میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا دیں۔ تو عبدالرحمان بن عوف دو تین رات تک مہاجرین و انصار اور امراء اجناد (فوج) و عمال وغیرہم سے مشورہ کرتے رہے اور تیسرے دن کی صبح کو انتخاب عثمان کا اعلان کرنے سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "اے علی! میرے متعلق اپنے دل میں کچھ خیال نہ کرنا۔ میں نے صحابۂ مہاجرین و انصار وغیرہ سب سے مشورہ کیا تو دیکھا کہ

لَمْ یَعْدِلُوْنَ بِعُثْمَانَ اَحَدًا۔!	وہ عثمان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔!

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تقدم و افضلیت و اہلیت خلافت پر صحابہؓ کا اجماع تھا۔ اس اجماع کے خلاف خبرِ واحد صحیح بھی ہو، تو

قبول نہ کی جائے گی۔ چہ جائیکہ ضُعفاء و مجروحین و مُتہمین اور شیعہ و خوارج کی روائتیں؟ کہ وہ تو کسی درجہ میں شمار نہ کی جائیں گی۔ اگر راویانِ اخبار و سِیَر کے حالات کی تحقیق کی جائے تو ہر صاحبِ بصیرت سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جتنی بھی روائتیں ہیں، سب ضعفاء و مجروحین اور اہلِ بدعت و اھواء کی روایات ہیں۔

وَ مَا ثَمَّ قَلِيلٌ وَ لَيْسَ فِي هٰذَا الْقَلِيلِ مَا يَضُرُّهُ وَ يَنْقُصُ مِنْ مَكَانَتِهِ فِي نَفْسِهِ.	ہاں کچھ روایاتِ تنقید درست ہیں لیکن ان میں ایسی کوئی چیز نہیں جو حضرت عثمان کی شان کو کچھ گزند پہنچا سکے یا اُن کے اِس ناقد کو کوئی نفع پہنچا سکے۔

حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی نظر میں

۴ — ابو احمد (حاکم) نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب (باغیوں نے) حضرت عثمان پر محاصرہ سخت کر دیا تو میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ باندھے ہوئے اور حضور ہی کی تلوار گردن میں لٹکائے ہوئے تشریف لا رہے ہیں اُن کے آگے حضرت حسن اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم، اور مہاجرین و انصار کی ایک جماعت تھی۔ انھوں نے (باغی) لوگوں پر حملہ کیا اور اُن کو اِدھر اُدھر منتشر کر دیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کے مکان میں داخل ہوئے

حضرت علیؓ نے کہا :-

"اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا أَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام (یعنی سلطنت کا استحکام) اُس وقت تک نہیں کیا ، جب تک اپنے ماننے والوں کو ساتھ لے کر دشمنوں کو نہیں مارا۔ اور بخدا میرا گمان یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں ، تو ہم کو حکم دیجئے کہ ہم بھی اُن سے قتال کریں ۔ !"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا :-

"مَیں ہر اُس شخص کو جو اللہ کا حق اپنے اوپر سمجھتا ہے اور یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ میرا بھی اُس پر کچھ حق ہے ، قسم دیتا ہوں کہ میری وجہ سے کسی کا ذرا سا بھی خون نہ بہائے ، نہ اپنا خون بہائے ۔ !"

حضرت علیؓ نے پھر اپنی بات دُہرائی ۔ حضرت عثمان نے پھر یہی جواب دیا ۔ تو میں نے حضرت علی کو دروازے سے نکلتے ہوئے یہ کہتے سُنا :-

"اے اللہ ! آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے اپنی سی کوشش کرلی ہے !"

پھر مسجد میں داخل ہوئے ۔ نماز کا وقت آگیا تھا ۔ (باغی) لوگوں نے کہا :-

"یَا أَبَا الْحَسَنِ ! (حضرت علیؓ کی کُنیت ہے) آگے بڑھیئے ۔ لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے ۔ !"

حضرت علیؓ نے فرمایا :-

"میں تم کو اس حال میں نماز نہیں پڑھاؤں گا کہ امام (خلیفۃ المسلمین) گھر میں محصور ہے ۔ مَیں تنہا نماز پڑھ لوں گا ۔ !"

چنانچہ آپ نے تنہا نماز پڑھی اور اپنے گھر کو لوٹ گئے۔ اُسی وقت اُن کے صاحبزادے (امام حسنؓ) پہنچے اور کہا:-

"وَاللّٰہ! (باغی) لوگ (حضرت عثمان کے) گھر میں گھس گئے ہیں!"

حضرت علی نے فرمایا:-

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ! بخدا یہ اُن کو قتل کر ڈالیں گے!"

لوگوں نے پوچھا:-

"اے اَبُوالحَسَن! حضرت عثمان (قتل ہو گئے تو) کہاں پہنچیں گے؟"

اُنھوں نے فرمایا:-

"جنت میں، مقامِ قرب پر پہنچیں گے۔"!

لوگوں نے عرض کیا:-

"اور قاتل کہاں جائیں گے؟" فرمایا:-

"بخدا جہنم میں جائیں گے!" اس بات کو تین بار دہرایا۔!

(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: المحب الطبری بحوالہ حیاۃ الصحابہ ج ۲ ص ۱۵)

ابو احمد حاکم نے حضرت امام حسن بن علی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے کہ انھوں نے باغیوں سے قتال کرنے کی حضرت عثمان سے اجازت مانگی تو آپ نے اُن سے بھی یہی فرمایا کہ:-

"اے بھتیجے! لوٹ جاؤ۔ اپنے گھر میں بیٹھے رہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم پورا کریں مجھے کسی کا خون بہانے کی حاجت نہیں۔!"

ابو عمر ابن عبدالبرؒ نے حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے

کہ محاصرہ کے وقت میں بھی حضرت عثمان کے گھر میں تھا کہ باغیوں نے ایک شخص کو تیر سے مار ڈالا۔ میں نے حضرت عثمان سے کہا، اب تو ہمارے لئے قتال کرنا بلا شبہ جائز ہو گیا، کیونکہ انھوں نے ہمارا ایک آدمی مار ڈالا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا:۔

"اے ابوہریرہ! میں تم کو قسم دیتا ہوں، تلوار پھینک دو۔ یہ لوگ میری جان لینا چاہتے ہیں تو میں اپنی جان دے کر مسلمانوں کا وِقایہ (ڈھال) بن جاؤں گا۔!"

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔

"اس پر میں نے اپنی تلوار پھینک دی۔ اور اب تک مجھے معلوم نہیں کہ وہ تلوار کہاں گئی؟"

(حیاۃ الصحابہ۔ ج ۲، ص ۱۲۶، ۱۲۷)

فائدہ:۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ بعض لوگوں کو جو شکایات حضرت عثمانؓ سے تھیں ان میں حضرت عثمانؓ حق پر تھے، مخالف ناحق پر تھے۔ اِن حقائق کو پیش نظر رکھ کر حضرت عثمان کے بارے میں قلم اُٹھانا چاہیئے۔ ان سے آنکھیں بند کر کے گفتگو کرنا کسی عالم کو جائز نہیں کہ اِس سے عام مسلمان غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔!

۵۔ علامہ ابن تیمیہؒ (رحمۃ اللہ علیہ) "منہاج السنۃ" میں فرماتے ہیں کہ:۔

"امام احمد بن حنبل اور بہت سے علماء حضرت علی کی سُنّت پر اسی طرح عمل کرتے ہیں، جس طرح سنتِ عمرؓ و سنتِ عثمان پر عمل کرتے ہیں

مگر دوسرے بعض علماء، امام مالک وغیرہ سنتِ علی کا اِتباع نہیں کرتے حالانکہ سنتِ عمرو سنتِ عثمان کے اِتباع پر سب کا اتفاق ہے "!

(رشنباج ج ۳ ص ۳۰۵ بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن ص ۱۱۱) !

فائدہ :- امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) وغیرہ جو سنتِ علی کی اِتباع نہیں کرتے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس وقت مسلمانوں میں اِفتراق تھا، کچھ صحابہ حضرت علی کے ساتھ تھے اور کچھ اُن کے ساتھ نہ تھے اُن کی سُنّت پر سب کا اِتفاق نہ تھا اور حضرت عمر و عثمان کی سُنّتوں پر سب صحابہ کا اتفاق تھا۔ اِسلئے سُنّتِ عثمان کے اِتباع پر سب علماء فقہاء متفق ہیں، اس حقیقت میں جبقدر وزن ہے، اہلِ علم اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

۶ — ابن عساکر وغیرہ نے حضرتِ شعبی (رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات اُس وقت تک نہیں ہوئی جب تک قریش اُن سے اُکتا نہ گئے۔ اُنھوں نے قریش (کے مہاجرین) کو مدینہ میں محصور کر دیا تھا (کہ مدینہ سے باہر نہ جائیں) حضرت عمر نے فرمایا :-

"مجھے سب سے زیادہ خطرہ تمہارے اِدھر اُدھر بلادِ اسلام میں پھیل جانے سے ہے۔ !"

اگر ان محصورین مہاجرین میں سے کوئی جہاد کے لئے بھی اجازت مانگتا، تو فرما دیتے کہ،

"تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت جہاد کر لیا ہے بس وہی کافی ہے۔ آجکل تمہارے لئے جہاد کرنے سے یہی بہتر ہے

کہ نہ تم دنیا کو دیکھو ، نہ دُنیا تم کو دیکھے ! "

جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے ، انھوں نے اُن حضرات کو رخصت دیدی کہ جہاں چاہیں جائیں ۔ اب یہ لوگ بلادِ اسلام میں اِدھر اُدھر پھیل گئے اور لوگ ہر طرف سے اُن کی طرف رجوع ہونے لگے ۔ محمد و طلحہ کہتے ہیں کہ :

" یہ پہلا شخص تھا جو اِسلام میں داخل ہُوا اور عام مسلمانوں میں فتنہ کی ابتدا ، اِسی سے ہوئی ۔ !

حاکم نے قیس بن ابی حازم سے روایت کی ہے کہ حضرت زُبیر رضی اللہ عنہ حضرت عمر کے پاس آئے اور جہاد میں جانے کی اجازت چاہی فرمایا :

" اپنے گھر میں بیٹھو ، تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (بہت) جہاد کرلیا ہے ! "

حضرت زبیر نے بار بار درخواست کی تو تیسری یا چوتھی بار میں فرمایا :

" اپنے گھر بیٹھو ۔ وَاللہ ! مَیں تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ تم مدینہ سے باہر نکلو گے تو صحابہ رسول کو فساد میں (غالباً جنگِ جمل کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت زُبیرؓ و طلحہ کا بڑا ہاتھ تھا) مبتلا کر دو گے ۔ ! "

(اور حضرت عمر بڑے صاحبِ فراست اور صاحبِ کشف تھے ۔)

ذہبی (رحمتہ اللہ علیہ) نے اِس سند کو صحیح کہا ہے ۔ !

فائدہ : ـــــــ مگر صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ حضرت زُبیر بن العوام جنگِ یرموک میں موجود تھے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت

عمر نے اُن کے اِصرار سے مجبور ہو کر بادلِ ناخواستہ اجازت دیدی ہو گی غالباً اِسی وجہ سے حضرت عثمان نے بھی اِن صاحبوں سے پابندی اُٹھا دی تھی کیونکہ اِس روایت میں تصریح ہے کہ جن صاحبوں پر حضرت عمر نے پابندی لگا رکھی تھی وہ اُس سے اُکتا گئے تھے۔ جو روشن خیال علماء حضرت عثمان پر تنقید کرتے ہیں وہ اس بات کا جواب دیں کہ حضرت عمر نے اکابر مُہاجرین کو مدینہ میں محصور کر کے اُن کی آزادی کیوں سلب کی؟ آج کل تو جمہوریت کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہر شخص کو رفتار و گفتار کی پوری آزادی ہو۔ اُس پر کسی جگہ کا داخلہ بند نہ کیا جائے۔ نہ سیر و سیاحت اور سفر پہ پابندی لگائی جائے۔ اِس لئے ان مُتجدّدین (ماڈرن) کے نزدیک تو حضرت عثمان کا یہ کارنامہ جمہوریت کے مُوافق تھا اور حضرت عمر کا عمل سراسر خلافِ جمہوریت تھا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ حضرت عمر نے قریش کے اُن افراد پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی جو مکہ میں رہتے تھے۔ جیسا اِسی روایت کے بعض الفاظ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ یہ پابندی قُریش کے اُن افراد پر تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مُہاجر ہو کر مدینہ آ گئے تھے حضرت عمر اُن کو مدینہ سے باہر جانے سے روکتے تھے اور اپنے پاس مدینہ میں ہی رکھنا چاہتے تھے۔ میرے خیال میں اس کی وجہ وہی تھی — جو، وَلیِ عہدِ سلطنت کو بادشاہ کے سامنے پایۂ تخت میں رہنے پر مجبور کرنے کی ہوا کرتی ہے، کیونکہ وَلیِ عہدِ سلطنت کی عظمت رِعایا کے قلوب میں بہت ہوتی ہے۔ اگر اُس کو پایۂ تخت سے باہر گھومنے پھرنے کی اجازت

دے دی جائے تو بہت سے لوگ اُس کے گرد جمع ہو جائیں گے جس سے
بعض دفعہ سُلطانِ وقت کی سلطنت کو خطرہ پیش آنے کا اندیشہ ہو سکتا
ہے۔ چنانچہ تاریخ میں ایسے خطرات کا واقع ہونا مذکور ہے۔ اسلام میں
خلافت۔ میراث تو ہے نہیں کہ بادشاہ کے بعد بیٹا ہی بادشاہ ہو۔ اسلام
میں اس کا مدار قابلیت و اہلیت پر ہے۔ اور قریش کے وہ افراد جو مہاجر
بن کر مدینہ آ گئے تھے، سب ہی خلافت کے اہل تھے، اس لئے اُن سب کو
حضرت عمرؓ نے مدینہ سے باہر آنے کی اجازت نہیں دی بلکہ مدینہ میں
محصور رکھا۔ یا تا ماشاء اللہ حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح (رضی اللہ عنہ)
اور اُن جیسے ایک دو صاحبوں پر یہ پابندی نہیں لگائی۔ پھر جس طرح ولی عہد
سلطنت اِس قسم کی پابندیوں سے گھبرا جاتا ہے، اُسی طرح یہ مہاجرین قریش
بھی اِس پابندی سے اُکتا گئے اور بار بار جہاد کے لئے مدینہ سے باہر جانے
کی اجازت مانگنے لگے تو حضرت عمر نے بعض کو اجازت دیدی۔ اور حضرت
عثمانؓ نے اس پابندی کو بالکل ہی ختم کر دیا۔ لیکن حضرت عمرؓ کو اُن کی
آزادی سے جو خطرہ تھا وہ صحیح ہو کر رہا۔ اِن حضرات نے مدینے سے باہر قدم
رکھا تو لوگ اُن پر جھک پڑے اور حضرت عمر کی حیات ہی میں بعض لوگوں
کی زبان پر اس قسم کی باتیں آنے لگیں کہ حضرت عمر کے بعد ہم حضرت طلحہ
(رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ جس پر حضرت عمرؓ نے اپنے
آخری خطبہ میں اُن لوگوں کو سخت تنبیہ کی کہ :۔

"چند افراد یا کسی ایک جماعت کو حق نہیں کہ وہ کسی کو خلیفہ بنا لے۔

خلافت سب مسلمانوں کے مشورہ سے کسی کو دی جاسکتی ہے، ورنہ دونوں پر قتل کا اندیشہ ہے!" (صحیح بخاری)

حضرت عثمان ایک سال سخت بیمار ہوئے تو بعض لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ حضرت عثمان اس مرض میں وفات پاگئے تو ہم حضرت زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت طلحہ اور زبیر نے ام المومنین حضرت عائشہ (سلام اللہ و رضوانہ علیہا) کو دم (خون) عثمان" کے مطالبہ کے لئے راست اقدام کرنے پر ابھارا تو یہ سوال اٹھا کہ یہ اقدام کہاں سے شروع کیا جائے؟ تو دونوں حضرات نے فرمایا کہ۔

"بصرہ میں ہمارے حامی بہت ہیں، یہ اقدام وہیں سے ہونا چاہیئے!" چنانچہ جنگِ جمل بصرہ میں واقع ہوئی۔ اگر یہ حضرات مدینہ سے باہر قدم نہ نکالتے، جیسا کہ حضرت عمر کا منشا تھا تو بصرہ میں اِن کے حامی نہ پیدا ہوتے، نہ جنگِ جمل کی نوبت آتی، نہ خلافتِ عثمان میں وہ انتشار پیدا ہوتا، جو قتلِ عثمان کا سبب بنا۔! وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ۔!

اب میں اُن تنقیدات کا جواب عرض کرتا ہوں جو بعض "نو تعلیم یافتہ علماء"، نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کی ہیں۔ سب سے پہلی تنقید یہ ہے کہ:۔

ا۔ "حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو رفتہ رفتہ حضرت عمر کی پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔ انھوں نے پے در پے بنو اُمیہ کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر

مُوجبِ اِعتراض بن کر رہیں۔ بنی اُمیّہ میں جو لوگ دورِ عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب طُلقاء میں سے تھے؟

(طُلقاء وہ صحابہ ہیں، جو فتحِ مکّہ کے موقع پر اِسلام لائے۔)

اِس کا جواب حضرت عثمان نے خود یہ دیا تھا کہ:۔

"میں نے اپنی خلافت میں بجز ایک شخص عبداللہ بن عامر بن کریز کے بنو اُمیّہ میں سے کسی کو بھی از خود عامل نہیں بنایا، بلکہ سب حضرت عمر کے بنائے ہوئے عامل ہیں اور عبداللہ بن عامر جسے میں نے عامل بنایا ہے، اُس سے کسی کو کوئی شکایت نہیں، بلکہ سب اُس سے خوش ہیں۔"!

فائدہ:۔ واقعہ یہ ہے کہ یزدجرد (گرد) شاہِ فارس کو جب شکست فاش ہوگئی تو وہ اِدھر اُدھر بھاگا پھرتا تھا۔ جس شہر میں جاتا، وہاں کا فارسی حاکم اس کی آؤ بھگت کرتا اور بھاگا ہوا لشکر اُس کے گرد جمع ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتا تھا۔ اِس صورت میں ملک فارس کا نظام مختل رہتا تھا۔ حضرت عثمان نے بصرہ کے گورنر کو (جس کے تحت خُراسان بھی تھا) یہ تاکید کی کہ جس طرح بھی ہو، کِسریٰ کو گرفتار یا قتل کر دو، تاکہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو۔ جب تک کِسریٰ آزادی سے گھومتا رہے گا، فساد کا قلع قمع نہ ہوگا۔ مگر بصرہ کا کوئی گورنر اس مُہم کو سَر نہ کر سکا، تو حضرت عثمان نے عبداللہ بن عامر بن کریز سے مشورہ کیا۔ اُس نے وعدہ کیا کہ میں انشاء اللہ اِس مہم کو سَر کر لوں گا تو حضرت عثمان نے ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) کو بصرہ کی گورنری

سے ہٹا کر عبداللہ بن عامر کو یہ منصب عطا کر دیا۔ اور اس نے بڑی شجاعت اور سیاست سے کسریٰ کو محصور کر لیا اور وہ محاصرہ ہی کی حالت میں مارا گیا جس کے بعد ملک فارس کا نظم ونسق مسلمانوں کے قبضہ میں پوری طرح آگیا۔

عبداللہ بن عامر صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُشابہ تھا بڑا بہادر، مُتقی اور ہوشیار تھا۔

ع کہ معنی بُوَد صورتِ خوب را۔!

(اچھی شکل میں ایک خاص رمز اور مفہوم ہوتا ہے)

اس شخص کے علاوہ جتنے عُمّال۔ (گورنر)۔ بنواُمیّہ یا طُلَقاء میں سے تھے، وہ سب حضرت عمر کے بنائے ہوئے عامل تھے۔

عِکرمہ بن ابی جہل (رضی اللہ عنہ) بھی طُلَقاء میں سے تھے۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ اُن کو صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے ایک دستہ فوج کا قائد بنا کر مُرتدین کے مقابلہ میں بھیجا تھا اور فتوحاتِ شام میں اُنھوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ بالآخر جنگِ اَجنادین یا اسی کے قریب کسی جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ جس کا پورے لشکرِ اسلام کو سخت صدمہ ہوا۔

وَلید بن عُقبہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صَدَقات کا عامل بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت عمر نے بھی اس کو بعض مَقامات کا عامل بنایا تھا۔

یہ ضرور ہے کہ بنواُمیّہ کے یہ عُمّال حضرت عمر کے زمانہ میں معمولی مَقامات کے عامل تھے۔ جب تجربہ کار ہو گئے، اُن کو ترقی دیکر کسی بڑے مَقام کا عامل

بنا دیا اور یہ کوئی نازیبا بات نہیں ۔ عمال کو ترقی دینا سب ہی متمدن حکومتوں کا طریقہ ہے ۔ ! کہا جاتا ہے کہ ۔

"اسلامی تحریک کی سربراہی کے لئے یہ لوگ موزوں بھی ہو سکتے تھے ۔ وہ بہترین منتظم اور اعلیٰ درجہ کے فاتح ہو سکتے تھے اور فی الواقع وہ ایسے ہی ثابت بھی ہوئے ۔ لیکن اسلام محض ملک گیری اور ملک داری کیلئے تو نہ آیا تھا ۔ وہ تو اولاً اور بالذات ایک دعوتِ خیر و صلاح تھا جس کی سربراہی کے لئے انتظامی اور جنگی قابلیتوں سے بڑھ کر ذہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت تھی اور اس کے اعتبار سے یہ لوگ صحابہ اور تابعین کی اگلی صفوں میں نہیں بلکہ پچھلی صفوں میں آتے تھے ۔"!

میں پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن لوگوں کو مکہ اور خیبر اور بحرین کا حاکم بنایا گیا، کیا وہ صحابہ کی اگلی صفوں میں آتے تھے؟ بحرین کا پہلا گورنر منذر بن ساوی عبدی تھا ۔ پھر علاء بن الحضرمی ۔ مکہ کے حاکم عتاب بن اسید تھے ۔ اور خیبر کے سواد بن غزیہ ۔ ! ان میں سے کوئی بھی صفِ اوّل میں نہ تھا ۔ حضرت خالد بن ولید، عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما)، جب سے مسلمان ہوئے حضور نے ہمیشہ ان کو قائدِ عسکر، یا امیر بنایا ۔ بلکہ غزوہ ذات السلاسل میں حضرات شیخین کو بھی حضرت عمرو بن العاص کا ماتحت بنا دیا ۔ اور حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کا حاکم بنایا اسی طرح جیشِ اسامہ میں اکابر مہاجرین و انصار حتی کہ حضرت عمر کو بھی اسامہ کی ماتحتی میں کر دیا گیا

فتح شام کے بعد پہلے گورنر ابو عُبَیدہؓ ابن الجراح (رضی اللہ عنہ) تھے۔ ان کے
انتقال کے بعد خلافتِ فاروق میں (حضرت) یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ
تعالیٰ عنہ) گورنر ہوئے۔ یہ بھی صفِ اوّل کے صحابی نہ تھے۔ انکے انتقال پر
حضرت عمر نے حضرت مُعاویہ (رضی اللہ عنہ) کو امارتِ شام پر مامور فرمایا۔
یہ بھی صفِ اوّل کے صحابی نہ تھے۔ آپ عہدِ نبوت اور عہدِ صدیق، اور
عہدِ فاروق کے عمّال و حکّام پر نظر ڈال جائیں تو ایک دو کے سوا تمام
عمّال صفِ ثانی یا ثالث ہی کے نظر آئیں گے۔ ولید بن عُقبہ کے بارے
میں کہہ چکا ہوں کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر
عامل بنا کر بھیجا تھا پھر حضرت عمر نے بھی اس کو عامل بنایا۔ حضرت عثمان نے
بھی اس کو عاملِ کوفہ بنا دیا تو کیا جرم کیا؟ آپ کو تسلیم ہے کہ اس کے انتظام سے
اوّل اوّل اہلِ کوفہ بہت مطمئن ہو گئے، بعد میں یہ بات کھلی کہ وہ مے نوش
ہے۔ مے نوشی کے سوا اور کسی جرم کی نشان دہی کسی مؤرخ نے نہیں کی۔ سو
آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ مے نوشی کا ارتکاب حضرت قدامہ بن مَظعون صحابی بدری
(رضی اللہ عنہ) سے بھی ہوا تھا، جن پر حضرت عمر نے حد جاری کی تھی۔ یہ
صفِ اوّل کے صحابی تھے۔ مگر ان کو یہ مغالطہ ہوا تھا کہ آیت

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا
إِذَا مَا اتَّقَوْا وَّآمَنُوا

نہیں ہے اُن لوگوں پر جو ایمان لائے اور
کام کئے اچھے کوئی گناہ، اُس چیز میں جو
(ناجائز) کھایا پیا انھوں نے (پہلے)
جبکہ وہ متقی ہو گئے اور مومن بن گئے۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ! اور انھوں نے اچھے کام کیئے - !

کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ شراب پی کر ایمان و عملِ صالح اور تقویٰ پر قائم رہیں - اُن پر کوئی گناہ نہیں !

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا :-

"تم نے آیت کا مطلب غلط سمجھا - اِس کا مطلب یہ ہے کہ حُرمتِ شراب سے پہلے جن لوگوں نے شراب پی تھی اور ایمان و عمل اور تقویٰ پر کاربند رہے ، اُن کو پچھلی مے نوشی کی وجہ سے گناہ نہیں ہوگا -"

کیونکہ فِیْمَا طَعِمُوْا صیغہ ماضی ہے ، مستقبل نہیں ، یہ مطلب نہیں کہ نزولِ حُرمت کے بعد کوئی شراب پیئے اور ایمان و عملِ صالح و تقویٰ پر کاربند رہے اُس کو بھی گناہ نہیں کیونکہ حُرمت کے بعد شراب پینے سے تقویٰ کہاں باقی رہا ؟ اگر ایسا ہی مُغالطہ ولید کو بھی ہُوا ہو ، جو صفِ اوّل کے صحابی نہیں تو کیا بعید ہے ؟ پھر حضرت عثمان نے بتلا دیا کہ بنو اُمیّہ کے جسقدر عُمّال ہیں ، وہ حضرت عمر کے بنائے ہوئے عُمّال ہیں ، تو جو اعتراض حضرت عثمان پر کیا جا رہا ہے وہ دراصل حضرت عمر پر ہے - کہ انھوں نے ایسے لوگوں کو عامل کیوں بنایا جو صفِ اوّل کے صحابی نہ تھے - بلکہ صفِ ثانی یا ثالث کے تھے ؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گورنری !

ایک بڑا اعتراض حضرت عثمانؓ پر یہ کیا گیا کہ :-

"انھوں نے حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو ایک ہی صوبہ کی گورنری پر مسلسل ۱۶ - ۱۷ سال مامور رکھا۔ !"

حضرت عثمان کی خلافت کی مدّت کُل ۱۲ سال ہے جو معترض کو بھی تسلیم ہے، پھر وہ حضرت معاویہ کو ۱۶ - ۱۷ سال اپنی خلافت میں گورنر کیسے رکھ سکتے تھے؟ اور اگر خلافتِ عمر کا زمانہ بھی حضرت عثمان ہی کے نامۂ اعمال میں شامل کیا جاتا ہے تو ۱۶ - ۱۷ سال نہیں بلکہ بیس سال کہنا چاہیئے۔ حضرت معاویہ خلافتِ عمر میں ۸ سال سے زیادہ امیرِ شام رہے ہے۔ اور حضرت عثمان کے زمانہ میں ۱۲ سال۔ جس شخص کو حضرت عمر نے ۸ سال مسلسل امارتِ شام پر مامور رکھا۔ اگر حضرت عثمان نے اُسے ۱۲ سال مسلسل رکھا تو کیا جرم کیا؟ یہ سُوال سب سے پہلے حضرت عمر سے کرنا چاہیئے کہ اُنھوں نے ایک شخص کو ایک ہی صوبہ پر مسلسل ۸ سال گورنر کیوں رکھا؟ معترض کا یہ دعویٰ تسلیم نہیں کہ:-

"حضرت عمر کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ کسی شخص کو ایک ہی صوبہ کی حکومت پر زیادہ مدت تک نہ رکھتے تھے۔" الخ۔

بلکہ اُن کا قاعدہ یہ تھا کہ جس حاکم سے رعایا کو شکایت نہ ہو، اُس کو الگ نہیں کرتے تھے۔ (حضرت) ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) برابر بصرہ کے حاکم رہے۔ حضرت عمر نے ان کا تبادلہ نہیں کیا، نہ وہاں سے معزول کیا (حضرت) علاء بن الحضرمیؓ (رضی اللہ عنہ) بحرین کے حاکم رہے۔ اُن کا تبادلہ نہیں کیا گیا۔ اُن کے اِنتقال پر دوسرا گورنر بھیجا گیا۔ اور یہ واقعہ

کہ حضرت معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے رعایا شام خوش تھی۔ کسی کو کوئی شکایت نہ تھی اور وہ سیاست اور حلم میں ضرب المثل تھے تمام کا صوبہ جیسا معترض کو تسلیم ہے اُس وقت کی اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت کا علاقہ تھا۔ اس کے ایک طرف تمام مشرقی صوبے تھے ایک طرف تمام مغربی صوبے تھے۔ یہاں ایسے ہی سیاستدان اور حلیم کی ضرورت تھی، جس سے پورا صوبہ شام خوش اور مطمئن ہو۔

خُمُس کا قِصّہ

ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ:۔

"حضرت عثمان نے اَفریقہ کی جنگ کا پورا خُمُسِ غنیمت مروان کو دیدیا جو پانچ لاکھ دینار تھا۔" !

یہ غلط ہے (جناب) مروان (رضی اللہ عنہ) کو خُمُسِ اَفریقہ سے کیا واسطہ تھا؟ واقعہ یہ ہے کہ افریقہ کی حُدود مِصر سے ملی ہوئی تھیں۔ مِصر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا تھا۔ مگر افریقہ کے عیسائی حُدودِ مِصر پر حملے کرتے اور کبھی مصر کے اندر آکر فساد برپا کرتے تھے۔ ضرورت تھی کہ افریقہ پر فوج کشی کی جائے تاکہ ان پر رُعب قائم ہو۔ اور مِصر کے انتظام کو مختل نہ کر سکیں۔

اس وقت حضرت عَمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) مِصر کے والی تھے۔ ان کو حضرت عثمان نے افریقہ کی جانب فوج کشی کا حکم دیا تو انھوں نے راستہ کی دشواری کا عذر کیا۔ ان کے نائب عبداللہ بن ابی سَرح نے اس پر آمادگی ظاہر کی

تو حضرت عمرو بن العاص کو گورنری سے ہٹا کر عبداللہ بن ابی سرح کو والیٔ مصر بنا دیا گیا۔ جب انھوں نے افریقہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکرِ جرار کے ساتھ میدانِ کارزار میں قیام کیا، شاہِ افریقہ خود مقابلہ میں آگیا۔ اور اس نے اعلان کر دیا کہ:۔

"جو شخص عبداللہ بن ابی سرح کا سر میرے پاس لائے گا، اس کو آدھا ملک دوں گا، اور اپنی بیٹی سے شادی کر دوں گا۔!"

اب ہر افریقی سپاہی عبداللہ بن ابی سرح کا سر لینے کے درپے ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر وہ میدانِ کارزار سے ہٹ کر خیمہ میں آگئے اور ایک دستہ فوج خیمہ کے گرد تعینات کر کے میدانِ جنگ میں اپنا ایک نائب مقرر کر دیا، جس کے پاس خیمہ ہی سے ہدایات پہنچ رہی تھیں۔

افریقہ کی اس جنگ میں عبداللہ بن ابی سرح کی امداد کے لئے مدینہ سے بھی ایک بڑا لشکر پہنچ گیا۔ جس میں (حضرتِ) عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، امام حسنؓ، حضرت حسینؓ اور فضل بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم بہادرانِ قریش بھی شریک تھے۔ اس لشکر نے افریقہ پہنچ کر دیکھا کہ عبداللہ بن ابی سرح میدان میں نہیں ہیں۔ عبداللہ بن زبیر ان کے خیمہ میں گئے اور پوچھا کہ:۔

"آپ خیمہ میں کیوں ہیں، میدان میں چل کر خود فوج کی کمان کیوں نہیں کرتے؟"

(انھوں نے) کہا:۔

"میرا سر کاٹنے پر شاہِ افریقہ نے اپنی بیٹی دینے اور آدھی سلطنت دینے کا اعلان کیا ہے۔ اس لئے ہر افریقی میرا ہی سر کاٹنا چاہتا ہے۔"

عبداللہ بن زُبیرؓ نے کہا :-

" تو آپ یہ اعلان کر دیجئے کہ : " جو شخص شاہِ افریقہ کا سر لائے گا، میں اُس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا اور مالِ غنیمت کا پورا خُمس دے دوں گا " !

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اب شاہِ افریقہ میدان چھوڑ کر اپنے خیمہ میں بیٹھ گیا، اور عبداللہ بن ابی سرح میدان میں آ گئے۔ جنگ شروع ہوئی تو عبداللہ بن ابی سرح نے ایک دستہ فوج کے ساتھ شاہ افریقہ کے خیمہ پر حملہ کر دیا اور خود اپنے ہاتھ سے اس کو قتل کر کے سر نیزہ پر بلند کیا۔ افریقی فوج کو شکست ہوئی۔ اور عبداللہ بن اَبی سَرح اعلان کے موافق خُمسِ غنیمت کے مستحق ہو گئے۔ فوجِ اسلام نے اُنکے استحقاق کو تسلیم کیا۔ حضرت عثمان کو اس کی اِطلاع دی گئی تو انھوں نے بھی اِس حق کو تسلیم کیا۔ مگر جب عبداللہ بن سبا یہودی مُنافق اور اُسکے ماننے والوں نے اِس کو بُری طرح اُچھالا کہ :-

" حضرت عثمانؓ نے اپنے رِضاعی (دُودھ شریک) بھائی کو اتنی بڑی دولت دی ہے ، یہ اقربا نوازی ہے۔ ! "

تو حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سَرح کو لکھا کہ :-

" تم خُمسِ افریقہ کو واپس یہاں بھیج دو ، میں تم کو اپنے پاس سے مُناسِب انعام دے دوں گا۔ بعض لوگ ، تم کو پُورا خُمس دینے پر چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔ ! "

بتلایئے ! اس میں الزام کی کونسی بات تھی۔ ؟ رہا یہ کہ :-

" حضرت معاویہؓ کے مُسلسل صوبۂ شام پر گورنر رہنے کا خمیازہ حضرت علیؓ کو بُھگتنا پڑا "

خیالِ خام ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ بصرہ میں تو حضرت معاویہ گورنر نہ تھے وہاں حضرت علیؓ کو کس چیز کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔؟ وہاں جنگِ جمل کیوں ہوئی؟ اس جنگ سے پہلے تو حضرت معاویہ تردد اور تذبذب ہی میں تھے کہ حضرت علیؓ کی بیعت سے نہ صراحتہً انکار کرتے تھے۔ نہ اقرار، جنگِ جمل میں حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) حضرت طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہما ـــــ کے ـــــ مقابلہ نے حضرت معاویہ کے اس خیال کو پختہ کر دیا کہ معاملہ مشکوک ضرور ہے۔ ورنہ ایسے ایسے جلیل القدر صحابہ جو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں، حضرت علی کی بیعت توڑ کر اُن کے مقابلہ میں ہرگز نہ آتے۔ حضرت علی کو یہ مشکل اس لیئے پیش آئی کہ انھوں نے امام حسن اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے پر عمل نہ کیا۔ ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ حضرت معاویہؓ کو بالکل نہ چھیڑا جائے۔ اُن صوبوں کا نظم ونسق سنبھالا جائے جن کے گورنروں نے آپ کی خلافت تسلیم کرلی ہے۔ معاویہؓ کب تک رہیں گے؟ آج نہیں تو کل مجبور ہو کر آپ کی بیعت منظور کرلیں گے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ) کی بھی یہی رائے تھی۔ اس پر ہمارے ناقد صاحب فرماتے ہیں کہ :-

"حضرت علی اگر حضرت معاویہ کے معزول کرنے میں تاخیر کرتے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوتی۔ اُن کے اس اقدام سے ابتدا ہی میں یہ بات کھل گئی کہ حضرت معاویہ کس مقام پر کھڑے ہیں۔ زیادہ دیر تک ان کے موقف پر پردہ پڑا رہتا۔ تو یہ دھوکے کا پردہ ہوتا۔ جو زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ ذرا یہ بات وہی کہ سکتا ہے جس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حلم و تدبر

کا کچھ علم نہیں، واقعہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ کا مُوقِف تو اُسی وقت معلوم ہو گیا تھا، جب انھوں نے حضرت علی کی بیعت میں توَقُّف کیا۔ اور مُطالبہ کے بعد سفید کاغذ بھیج دیا تھا۔ مگر حضرت امام حسن اور ابن عباس اور مُغیرہ بن شُعبہ حضرت معاویہ کے حِلم و حکمت سے واقف تھے کہ ان کو نہ چھیڑا گیا تو وہ ہرگز مقابلہ پر نہ آئیں گے۔

مگر حضرت علی نے اُن کی بات نہ مانی۔ محمد بن ابی بکر اور اُن کے بڑے بڑے ساتھیوں سے۔ مالکِ اَشترِ نَخَعِیْ وغیرہ کی رائے پر عمل کیا، جو حضرت معاویہ سے لڑائی کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ شاید کثرتِ رائے کا غلبہ اِس کا سبب ہُوا ہو۔ اور اُن دونوں کی پوزیشن کو ایسا مضبوط کیا کہ اولُ الذّکر کو اپنا مُشیرِ خاص (سیکرٹری) بنایا اور دوسرے کو فوج کا کمانڈر انچیف۔ حالانکہ یہ دونوں قتلِ عثمان سے مُتّہَم اور اِس فتنۂ کُبریٰ کے بانی شمار ہوتے تھے۔ اسی چیز نے حضرت مُعاویہ اور اُن کے ہم خیال صحابہ کی نظروں میں خلافتِ علی کی پوزیشن کو مخدوش بنا دیا اور جنگِ جَمَل نے اس خدشہ کو زیادہ قوی کر دیا۔ جنگِ جمل نے حضرت علی کی جماعت میں بھی اِضطراب پیدا کر دیا۔ اُن کے بہت سے حامی، جو اَب تک اُن کو خلیفۂ برحق سمجھتے تھے، شک میں پڑ گئے۔ جس کی وجہ سے جنگِ صِفّین بھی بے نتیجہ رہی۔ پھر جو صوبے اُن کے ساتھ تھے، آہستہ آہستہ اُن کے ہاتھ سے نکل گئے۔ صرف کوفہ میں خلافت قائم رہی۔ اور کوئی صوبہ اُن کے قبضہ میں نہ رہا۔

مروان کی شخصیت

دوسرا اعتراض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ کیا جاتا ہے کہ "انھوں نے خلیفہ کے سیکریٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کو مامور کر دیا تھا۔" اور (جناب) مروان (رضی اللہ عنہ) کو فتنہ پرداز ثابت کرنے کے لئے اُن کی سوتیلی ساس (حضرت) نائلہ (رضی اللہ عنہا) کا یہ قول بھی پیش کیا جاتا ہے کہ:

"حضرت عثمان کے لئے مشکلات پیدا کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری مروان پر عائد ہوتی ہے۔"

اگر (حضرت) نائلہ کا یہ قول (جناب) مروان کو مُتّہم کر سکتا ہے تو اُن کا قول محمد بن ابی بکر کو بھی مُتّہم کر سکتا ہے کہ:-

"قاتلانِ عثمانؓ کو خفیہ راستہ سے گھر میں لانے والے محمد بن ابی بکرؓ تھے۔ پھر حضرت علیؓ نے اپنے دربار میں اُن کی پوزیشن اتنی کیوں بڑھائی بلکہ موقع پر اُن کو مصر کا گورنر بھی بنا دیا؟ کیا یہ پوزیشن ہمارے لئے قابلِ قبول ہو سکتی ہے؟

اب (جناب) مروان (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں محدثینِ ناقدین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

— حافظ ابنِ حجر نے "تہذیب التہذیب" میں اُن کو رجالِ بخاری اور سُننِ اربعہ کے رواۃ میں شمار کیا ہے اور صحابہؓ میں اُن کا شمار قسمِ ثانی میں یعنی اُن صحابہ میں کیا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے

مگر سماع ثابت نہیں۔ بہرحال اُن کے صحابی ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ اگر صرف رُؤیۃ کو صحابیت کے لیے کافی سمجھا جائے۔ اور یہی جمہور کا قول ہے تو اب اُن لوگوں کے اَقوال پر اِلتفات نہ کیا جائے گا۔ جو اُن میں کلام کرتے ہیں یعنی تنقید کرتے ہیں۔

فَاِنَّ الصَّحَابَۃَ کُلُّھُمْ عُدُوْلٌ ۔!	بلاشک تمام صحابہ عادل یعنی سچے دین دار قابلِ اعتماد ہیں۔!

۲۔ عُروہ بن زُبَیر کا قول ہے کہ مَروان حدیث میں مُتَّہَم نہ تھے۔ سَہل بن سَعد نے صِدق پر اِعتماد کر کے اُن سے رِوایت کی ہے اور وُہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ علیُّ بنُ الحسین (حضرت زینُ العابدین) اور عُروۃُ بنُ الزُّبیر والوبکر بن عبدالرحمان بن الحارث اور سعیدُ بنُ المُسَیَّب و عُبَیدُ اللہ بن عبداللہ بن عُتبہ اور مُجاہد والوسفیان مولیٰ بن ابی احمد نے اُن سے روایت کی ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور وہ حضرت عمر و عثمان و علی اور زید بن ثابت و ابوہریرہ اور بُسرہ بِنتِ صَفوان و عبدالرحمان بن الاسود بن عبدِ یَغُوث رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مُرسَلاً رِوایت کی ہے۔

۳۔ حافظ (ابنِ حجر) نے مُقَدِّمہ "فتحُ الباری" میں فرمایا ہے کہ:-

"مروان پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ یَومُ الجَمَل میں انھوں نے حضرت طلحہ کے تیر مارا، جس سے وہ فوت ہوگئے پھر مُعاویہ بن یزید کے بعد طلبِ خلافت کے لیے تلوار اُٹھائی۔!"

حضرت طلحہ کے قتل کے بارے میں تو اسمٰعیل وغیرہ نے یہ جواب دیا ہے کہ "یہ قتل تاویل سے تھا۔ جیسا اور صحابہ کے ہاتھ سے بعض صحابہ جنگِ جمل و صفین میں قتل ہوئے ہیں۔ اور اس کو تاویل پر محمول کیا گیا کہ اُن کے نزدیک فریقِ ثانی باغی تھا اور باغی کا قتل جائز ہے۔" بایں ہمہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی حدیث اور (فقہی) رائے پر اعتماد کیا ہے۔ اور مسلم کے سوا سب (اصحابِ صحاح) نے اُن کی حدیث کو لیا ہے۔

فائدہ:۔ مؤطا امام مالک کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ امام مالک (جناب) مروان (رضی اللہ عنہ) کو فقہاء مدینہ میں شمار کرتے اور مؤطا میں بکثرت اُن کے اقوالِ فقہیہ بیان فرماتے ہیں۔ حافظ ابنِ حجر کے قول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت طلحہ کے قتل سے پہلے (جناب) مروان پر کوئی سنگین اعتراض نہیں تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں (جناب) مروان کو مدینہ کا والی بنایا گیا، تو اُسی زمانہ میں سہل بن سعد ساعدی صحابی اور عروہ بن الزبیر اور حضرت زین العابدین اور ابوبکر بن عبدالرحمان ابن الحارث وغیرہ اجلہ تابعین نے اُن سے حدیث روایت کی۔ اگر خلافتِ عثمان میں کوئی امر خلافِ عدالت و ثقاہت اُن سے صادر ہوا ہوتا تو یہ حضرات ہرگز اُن سے روایت نہ کرتے۔ اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ:۔

"مروان نے حضرت عثمان کی طرف سے حاکمِ مصر کو خط میں یہ لکھدیا تھا کہ یہ لوگ (محمد بن ابی بکر اور ان کے ساتھی) مصر پہنچیں تو

ان کو قتل کر دینا۔"

حافظ ابنِ کثیر نے اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ :۔

كَتَبُوْا مِنْ جِهَتِهِ عَلِيٍّ وَّ طَلْحَةَ وَالزُّبَيْرِ إِلَى الْخَوَارِجِ كُتُبًا مُزَوَّرَةً أَنْكَرُوْهَا وَهٰكَذَا زَوَّرُوْا هٰذَا الْكِتَابَ عَلَى عُثْمَانَ !

(ابن کثیر ج ۷، ص ۱۷۵)

"ان بلوائیوں نے حضرت علی و طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی طرف سے البصرہ و کوفہ کے خوارج کے نام جعلی خط لکھے جن کا ان سب حضرات نے انکار کیا۔ ایسے ہی حضرت عثمان کے نام سے بھی انہوں نے جعلی خط لکھا

جس سے نہ حضرت عثمان کو کچھ واسطہ تھا نہ مروان کو۔ یہ سب بلوائیوں کی حرکت تھی۔

دلچسپ تضاد !

دوسرے مرحلہ پر معترض نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ :۔

" خلافتِ عثمان میں خیر اس قدر غالب تھی اور اسلام کی سربلندی کا اتنا بڑا کام ہو رہا تھا کہ عام مسلمان پوری مملکت میں کسی جگہ بھی اُن کے خلاف بغاوت کا خیال تک دل میں لانے کیلئے تیار نہ تھے

(یہاں یہ بھی لکھنا چاہیئے تھا کہ ان کی خلافت میں زکوٰۃ لینے والا بھی کوئی نہ تھا۔ اتفاق سے کوئی آجاتا تو حضرت عثمان بیت المال کھول کر فرما دیتے کہ جتنا چاہو لے جاؤ۔ یہی وجہ ہے کہ جو مختصر سا گروہ (دو ہزار (۲۰۰۰)

کے قریب) اُنکے خلاف شورش کرنے اُٹھا اس نے بغاوت کی دعوت
عام دینے کے بجائے سازش کا راستہ اختیار کیا۔ اس تحریک کے علمبردار
کوفہ، بصرہ اور مصر سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے باہم خط و کتابت
کر کے خفیہ طریقہ سے یہ طے کیا کہ اچانک مدینہ پہنچ کر حضرت عثمان پر دباؤ ڈالیں" الخ
اس مرحلہ پر معترض کو دیکھو باتوں پر غور کرنے کی ضرورت تھی۔ ایک یہ کہ
جب عام طور پر بلادِ اسلام میں سب مسلمان خلیفۂ وقت سے خوش تھے۔ صرف
(۲۰۰۰) دو ہزار افراد اُن کے خلاف سازش کر رہے تھے تو پھر حضرت عثمان کے خلاف
جو باتیں اس نے پہلے مرحلہ میں لکھی ہیں وہ عام مسلمانوں کے نزدیک وجہ اعتراض
نہ تھیں۔ صرف اُس سازشی مختصر گروہ کے نزدیک ہی وجہ اعتراض تھیں۔ تو اب
جو شخص حضرت عثمان پر تنقید کر رہا ہے وہ سب مسلمانوں کے خلاف اِس سازشی گروہ
کی تائید کرنا چاہتا ہے جس کی تعداد خود اُس کے اقرار سے (۲۰۰۰) دو ہزار کے اوپر نہ تھی۔
دوسرے یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ اِس سازش کا منشاء کیا تھا؟ اگر تحقیق سے
کام لیا جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ اس تحریک کی ابتدا مصر سے ہوئی تھی۔ جہاں اُس
وقت عبداللہ بن سبا یہودی منافق، جاہل، فوجیوں میں محبت اہل بیت
کا افسون سر جادو۔ پھونک کر عصبیتِ جاہلیت کو زندہ کر رہا تھا اور حضرت
عثمان سے حضرت علی کو افضل بتلا رہا تھا۔ "محبتِ علی" کا نام لے کر حضرت عثمان
پر اعتراض کرتا اور ان کے عُمّال میں بھی عیب نکالتا رہتا تھا۔ اس فریب میں
(۲۰۰۰) دو ہزار کے قریب مسلمان آگئے۔ انھوں نے سازش کر کے مدینہ کا رُخ کیا۔ اور
حضرت عثمان کو محصور کر دیا۔ آپ حرمِ رسول کو قتل و قتال کی آماجگاہ بنانا نہیں

چاہتے تھے۔ اس لئے اپنے حامیوں کو مقابلہ سے روک دیا۔ باغیوں کی منشاء کے موافق اپنے کو خلافت سے معزول کر کے جان بچا سکتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وصیت فرمائی تھی کہ:-

اِنَّ اللّٰہَ سَیُقَمِّصُکَ قَمِیْصًا فَاِنْ اَرَادَ الْمُنَافِقُوْنَ اَنْ تَنْزِعَہَا فَلَا تَنْزِعْہَا۔ (اوکما قال)	"اللہ تعالیٰ تم کو ایک قمیص پہنائیں گے اگر منافقین یہ چاہیں کہ تم اس قمیص کو اتار دو تو ہرگز نہ اتارنا!"

قمیص سے منصبِ خلافت کی طرف اشارہ تھا اس لئے خلافت سے بھی اپنے کو الگ نہ کر سکتے تھے جس کا انجام یہی ہونا تھا کہ شہید ہو گئے۔ ہمارے ناقد کو تسلیم ہے کہ:-

"ان باغیوں کو حضرت عثمان کے معزول کرنے یا ان سے معزولی کا مطالبہ کرنے کا قطعاً کوئی حق نہ تھا، نہ یہ اہلِ حل و عقد تھے نہ کسی مستند جماعت کے نمائندے۔"

تیسرے مرحلہ میں ناقد نے چند باتوں پر زور دیا ہے۔ (کہ):-

۱- حضرت عثمان کی شہادت کے بعد مدینہ میں سراسیمگی پھیل گئی۔ کیونکہ یکایک بے سردار اور مملکت بے سربراہ رہ گئی۔

۲- لامحالہ خلیفہ کا انتخاب جلد سے جلد ہو جانا چاہیئے تھا اور مدینہ میں ہونا چاہیئے تھا، وہی مرکزِ اسلام تھا اور یہیں اہلِ حل و عقد موجود تھے۔

۳- اس معاملہ میں نہ تاخیر کی جا سکتی تھی نہ مدینہ سے دور دراز کے دیار و امصار کی طرف رجوع کرنے کا کوئی موقعہ تھا خطرناک صورتحال پیدا ہو چکی تھی۔

۴- شوریٰ کے موقعہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے امت کی عام رائے معلوم کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا تھا کہ حضرت عثمان کے بعد دوسرے شخص

جن کو اُمت کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل ہے حضرت علی ہی ہیں۔
اس لئے یہ بالکل فطری امر تھا کہ لوگ خلافت کیلئے انہی کی طرف رجوع کرتے اگر یہ تمام مقدمات مُسَلّم ہیں۔ صرف تیسرے نمبر کے متعلق یہ کہنا ہے کہ امام حَسَن رضی اللہ عنہ کی رائے میں تاخیر کی گنجائش تھی۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ:- "اب لوگ آپ کے پاس بیعتِ خلافت کے لئے آئیں گے۔ آپ اس میں عُجلت نہ کریں بلکہ صاف فرما دیں کہ تمام صوبوں کے گورنروں کو بلایا جائے۔ اہل مدینہ کے ساتھ وہ بھی میری خلافت پر متفق ہوں، تو میں اس منصب کو قبول کر لوں گا ورنہ نہیں۔"

حضرت علی نے فرمایا:-
"اب تک کسی خلیفہ کے لئے مدینہ سے باہر کے لوگوں کو نہیں بلایا گیا میرے واسطے یہ کیوں ضروری ہے؟"

امام حَسَن نے فرمایا کہ:-
"آپ کی صورتِ حال اُن سے مختلف ہے۔ آپ کی موجودگی میں اُن بلوائیوں نے، جو آپ کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور حُبِ اہلِ بیت و محبتِ علی کا نعرہ لگاتے ہیں، خلیفۂ وقت کو قتل کیا ہے اور سب سے آگے یہی بلوائی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے آئیں گے۔ اگر آپ نے ان کو بیعت کر لیا تو دنیا والوں کو شبہہ ہوگا کہ آپ بلوائیوں کے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں۔ (اور بعض کو یہ شبہہ بھی ہوگا کہ قتلِ عثمان میں آپ کا ہاتھ ہے) اس لئے ضروری ہے کہ سب عمّال کو بلایا جائے تاکہ کسی کو شبہہ کی گنجائش نہ رہے!"

حضرت علی نے فرمایا:۔

"میں استخارہ کروں گا۔!"

استخارہ کے بعد آپ نے بلوائیوں اور مدینہ والوں کی درخواست پر بیعتِ خلافت لے لی۔

اگرچہ حضرت علی کا یہ طرزِ عمل اپنی جگہ درست تھا اور اُن کی خلافت کے برحق ہونے میں کوئی شُبہہ نہیں مگر آئندہ کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ امام حسنؓ کی رائے پر عمل کیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔ رہا یہ کہ اتنی مدت تک مسلمان بلا خلیفہ کیسے رہتے؟ سو اس میں اتنی قباحت نہ تھی جتنی اُس صورت میں ہوئی کہ بلوائیوں کی موجودگی میں بیعتِ خلافت لے لی گئی۔ چالیس (۴۰) دن حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) محصور رہے تو عملاً اُس وقت بھی مسلمان بلا خلافت کے ہی تھے اور مدینہ کے سوا پوری اسلامی مملکت کا نظم ونسق بخوبی قائم تھا۔ اگر ایک مہینے کی اور تاخیر ہو جاتی تو مملکت کے نظم ونسق میں کوئی خلل واقع نہ ہوتا۔ کیونکہ اُن دو ہزار (۲۰۰۰) باغیوں کے سوا عام مسلمان امن پسند تھے اور عُمالِ عثمان ہر مقام پر مضبوطی کے ساتھ انتظام کو سنبھالے ہوئے تھے۔ اور اگر منصبِ خلافت کے خلا کو جلدی ہی پُر کرنا ضروری تھا تو حضرت علی اس وقت خلافت کو قبول کرتے ہوئے صاف فرما دیتے کہ میں مستقل خلیفہ اس وقت بنوں گا جب سب عُمال جمع ہو کر مجھے اِس منصب کو قبول کرنے کی دعوت دیں گے۔ اُس کے بعد عُمال کو بُلایا جاتا کہ وہ سب اہلِ مدینہ کے ساتھ مِل کر مسئلہ خلافت کو طے کریں۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ بلکہ وہی ہوا جس کا امام حسنؓ کو خطرہ تھا۔ کہ سب سے پہلے بلوائیوں نے اُن کے ہاتھ پر

بیعت کی۔ پھر اہلِ مدینہ میں سے کچھ نے خوشی سے اور کچھ نے بلوائیوں کے دباؤ سے بیعت کی۔ چنانچہ جب حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما مدینہ سے مکہ پہنچے اور مطالبۂ دمِ (خونِ) عثمان کے لئے قوت فراہم کرنے کی تدبیریں کرنے لگے تو کسی نے پوچھا کہ:۔

"آپ حضرات تو حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آئے ہیں۔؟"

انھوں نے جواب دیا:۔

"بَایَعْنَاہُ وَاللُّجُّ فِیْ أَعْنَاقِنَا۔"!

"ہم نے اِس حال میں بیعت کی تھی کہ ہماری گردن دبائی جا رہی تھی"

جب ایسے جلیل القدر صحاب پر بھی دباؤ ڈالا گیا تو دوسروں کا کیا ذکر؟ پھر یہ بھی نہ ہوا کہ اُن بلوائیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا جاتا۔ خلیفۂ وقت کا فرض تھا کہ بلوائیوں اور باغیوں کو گرفتار کر کے شریعت کے موافق سزا دیتا۔ ان لوگوں کا صرف یہی جرم نہ تھا کہ انھوں نے ایک خون کر دیا تھا۔ ان کا جرم سنگین تھا کہ جتھہ اور بغاوت کر کے حکومت کا تختہ اُلٹا۔ اور خلیفۂ اسلام کو جو سب مسلمانوں کا محترم و معظم نائبِ رسولؐ تھا، قتل کر ڈالا۔ اس صورت میں سب مسلمانوں کو اُنکی سزا کے مطالبہ اور احتجاج کا حق تھا۔

اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان بلوائیوں کی پوزیشن مضبوط نہ کرتے کہ مالکِ اشترِ نخعی کو فوج کا کمانڈر انچیف بنا دیا اور محمد بن ابی بکر کو اپنا مشیرِ خاص یا سیکرٹری بنا لیا (جو فتنۂ قتلِ عثمانؓ کے بانی تھے)۔ اور اُن کے دوسرے ساتھیوں میں سے بھی کسی کو مجلسِ شوریٰ (پارلیمنٹ) میں شامل کر لیا گیا کچھ کو فوج میں۔

بلکہ خلافت کا منصب سنبھالتے ہی مسلمانوں سے اپیل کرتے کہ ان بلوائیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ تو حضرت طلحہ اور زبیرؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کو مطالبۂ دیم (خونِ) عثمان کے لئے راست اقدام سوچنے کی نوبت نہ آتی۔!

مُطالبۂ قِصاص کا حق!

ہمارے ناقد کا یہ کہنا کہ :-

"یہ جاہلیت کے دور کا قبائلی نظام تو نہ تھا کہ کسی مقتول کے خون کا مطالبہ لے کر جو چاہے اور جس طرح چاہے اُٹھ کھڑا ہو۔ یہ ایک باقاعدہ حکومت تھی جس میں ہر دعوے کے لئے ایک ضابطہ اور قانون موجود تھا۔ خون کا مطالبہ کرنے کا حق مقتول کے وارثوں کو تھا جو زندہ تھے اور مدینہ میں موجود تھے۔" الخ

اِس سنگین واقعہ (شہادتِ عثمان) کی سنگینی سے قصداً اِغماض ہے۔ اُنکو سوچنا چاہیئے کہ یہ صرف ایک اِنسان کے قتل کا واقعہ نہ تھا بلکہ بلوہ اور بغاوت کرکے خلیفہ کی حکومت کا تختہ اُلٹنا تھا۔ کیا اس جرم کی سزا کا مطالبہ بھی صرف ورثا ہی کا حق تھا؟ دُوسرے مسلمانوں کو بلوائیوں اور باغیوں کے لئے اِس سنگین بغاوت کی سزا کے مطالبہ کا حق نہ تھا۔؟ ظاہر ہے کہ اس کا حق سب مسلمانوں کو تھا۔

طبرانی نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ :-

"جب قاتلینِ عثمان نے حضرت معاویہؓ کو حضرت علی سے بیعت کرنے کو کہا (مدینہ سے جو وفد بھیجا گیا تھا، اس میں کچھ بلوائی بھی ہوں گے) تو حضرت معاویہ نے فرمایا کہ:-

"میں حضرت علیؓ سے بیعت کر لوں گا، بشرطیکہ وہ یا تو خود قصاصِ عثمانؓ میں قاتلوں کو قتل کر دیں یا (اگر خود وہ نہ کر سکیں تو) اُن کو میرے حوالے کر دیں۔"

اور دلیل کے طور پر یہ آیۃ پڑھی:-

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا -!	اور جو شخص ظلماً مار دیا جائے تو ہم نے بنا رکھا ہے اسکے ولی وارث کیلئے مضبوط حق، پھر وہ وارث (بدلہ لیتے وقت) مارنے میں زیادتی نہ کرے (تو) بلاشک وہی مدد یافتہ و غالب اور کامیاب ہے گا -!

ابن عباس فرماتے ہیں کہ:-

"مجھے اسی وقت یقین ہو گیا تھا کہ اگر حضرت عثمان کا قصاص نہ لیا گیا تو معاویہ ضرور غالب ہوں گے۔"

(ابن کثیر جلد ۸ ص ۲۱ ——— ازالۃ الخفاء جلد ا ص ۴۴۳)

"ازالۃ الخفاء" میں بھی یہ روایت دوسرے الفاظ سے ہے۔ مطلب ایک ہی ہے۔ اس سے ناقد کی تنقید کا جواب ہو گیا کہ حضرت معاویہ کو مطالبۂ دمِ (خونِ) عثمان کا حق حاصل تھا۔ ابن عباس نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کا حق صرف وارثوں کو ہے!

رہا یہ کہ اس فریق نے بجائے مدینہ کا رُخ کرنے اور وہاں جا کر مطالبہ پیش کرنے کے جہاں خلیفہ اور مجرمین اور مقتول کے سب وُرثار موجود تھے بصرہ کا رُخ کیا اور فوج جمع کر کے خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کی کوشش کی جو سراسر غیر آئینی طریقہ تھا۔ اس کا جواب اُوپر گزر چکا ہے کہ۔ اس راست اقدام کا سبب یہ ہوا کہ حضرت علیؓ نے اُن بلوائیوں کو پچھاڑ کھانے کی بجائے اور چھا کر دیا۔ یہ اسلام کے کس آئین و قانون کے موافق تھا کہ بلوائیوں اور باغیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔؟

اِس صورتِ حال نے فریق اوّل کو راست اِقدام پر مجبور کیا۔ اُن کو یہ گوارا نہ ہوا کہ خلیفۂ مظلوم کے قاتل یوں دندناتے پھریں کہ نہ حکومت ان پر کوئی دارو گیر کرتی ہے۔ نہ مجرم کی تحقیق کر کے سزا دیتی ہے۔ ایسی حالت میں خود حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ بلوائیوں اور قاتلوں کی تحقیق کر کے ان کو سزا دے اگر مقتول کا وارث قصاص کا مطالبہ نہ کرے جب بھی حکومت بلوہ اور فساد کا جرم کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتی۔ بلوائیوں اور ڈاکوؤں کے لئے نصِ قرآنی موجود ہے۔

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ

یہی سزا ہے ان لوگوں کی، جو لڑتے ہیں خدا اور اس کے رسول سے۔ اور بھاگ دوڑ کرتے ہیں دھرتی میں دنگا فساد پھیلانے کے لئے کہ اُن کو

يُصَلَّبُوٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۚ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ (پ ۶ س ۵ ع ۹)

قتل کیا جائے یا وہ سولی چڑھائے جائیں، یا کاٹے جائیں اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا نکال دیئے جائیں ملک سے، یہ اُن کی رسوائی ہے دنیا میں اور اُن کے لئے پچھلے جہان میں بڑی سزا اور بڑا دکھ ہوگا۔!

ان بلوائیوں کا بلوائی ہونا حضرت علیؓ کو معلوم تھا۔ ان کی قتل و غارت گری کا منظر بھی اُن کے سامنے تھا، پھر کسی کے دعویٰ اور مطالبہ کی شرعاً کوئی حاجت نہ تھی۔ حکومت کا فرض تھا کہ اُن سب کو گرفتار کرکے جیل خانہ میں ڈالدیتی۔ پھر قاتلین کو قتل کیا جاتا۔ اور بقیہ کو ہاتھ پیر کاٹنے یا جیل ہی میں سختی جھیلنے کی سزا دیجاتی۔

فریقِ اوّل کی طرف سے یہ عذر بیان کیا جاتا ہے کہ:۔

"حضرت علی کو اُن بلوائیوں کے دبانے کی طاقت نہ تھی۔ سارے عمّال اُن کے ساتھ مل جاتے تو وہ ایسا کرسکتے تھے۔"!

فریقِ ثانی اس کے جواب میں کہتا ہے کہ:۔

اگر فی الواقع وہ عاجز تھے تو گورنر شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہنے کا حق تھا کہ:۔

ا:۔ آپ ان کو میرے حوالہ کردیں میں سزا دیدوں گا۔

۲:۔ اگر یہ بھی نہ کر سکیں تو مجھے گرفتار کرنے کی اجازت دیدیں اور
آپ اُن کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔

اگر کسی شورہ پشت باغی جماعت کے دبانے سے مرکزی حکومت عاجز ہو جائے تو کیا صُوبائی گورنر کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ۔ مرکز مجھے اجازت دیدے تو میں اُس کی سرکوبی کے لئے کافی ہوں؟ اس کو زمانۂ قبل اسلام کی بد نظمی کے مشابہ قرار دینا ہمارے ناقد کی خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں۔ اور یہ کہنا کہ:۔

"خونِ عثمان کے مطالبہ کا حق اوّل تو حضرت معاویہ کے بجائے حضرت عثمان کے شرعی وارثوں کو پہنچتا ہے۔"

صاف بتلا رہا ہے کہ۔ وہ اس واقعہ کو صرف ایک نفس کے قتل کا جرم سمجھے ہوئے ہے۔ بلوہ اور بغاوت اور خلیفۂ مظلوم کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی سازش کرنے کے جرم سے آنکھیں بند کر رہا ہے کیونکہ اس جُرم کی سزا کا مطالبہ صرف وارثوں کا حق نہ تھا بلکہ سب مسلمانوں کا حق تھا۔

ناقد کو اقرار ہے کہ:۔

"حضرت طلحہ اور زبیر چند دوسرے اصحاب کے ساتھ حضرت علی سے ملے اور کہا،

"ہم نے اقامتِ حدود کی شرط پر آپ سے بیعت کی تھی۔ اب آپ اُن لوگوں سے بدلہ لیجئے جو حضرت عثمان کے قتل میں شریک تھے۔"

اس کے جواب میں حضرت علی نے یہ نہیں فرمایا کہ۔ اس مطالبہ کا آپ کو حق

نہیں بلکہ وارثانِ عثمان کو ہے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ:۔

"جو کچھ آپ جانتے ہیں مَیں اس سے ناواقف نہیں ہوں۔ مگر میں اُن لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم اُن پر؟"

اس کے بعد حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے مکہ جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مل کر بصرہ کا رُخ اس لئے کیا تھا کہ حضرت علیؓ اُن بلوائیوں کو نہیں دبا سکتے، تو ہم اپنے حامیوں کی جماعت ساتھ لے کر بلوائیوں کو گرفتار کر کے سزا دلوائیں گے۔ مگر حضرت علیؓ کو اُن کے مشیروں نے اُلٹا سمجھایا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ باغی ہو گئے ہیں۔ اس لئے آپ مدینہ سے لشکر لے کر جس میں بلوائی بھی شامل تھے۔ بصرہ جا پہنچے۔ جس کے نتیجہ میں جنگِ جمل کا واقعہ رونما ہوا۔ اگر حضرت علیؓ ان بلوائیوں کو اپنے ساتھ نہ لے جاتے تو فریقین میں جو گفتگوئے صلح اس موضوع پر ہو رہی تھی کامیاب ہو جاتی اور جنگ کی نوبت نہ آتی۔ مگر بلوائیوں نے اس صلح میں اپنی موت دیکھی تو بے قاعدہ طریقہ سے جنگ برپا کر دی۔ پھر ہوا جو کچھ ہوا۔ یہ عقدہ اب تک حل نہیں ہوا کہ۔ جب حضرت علیؓ کو ان بلوائیوں باغیوں کا مفسد اور فتنہ پرداز ہونا معلوم تھا تو پھر اُن کو اپنے ساتھ لشکر میں کیوں شامل کیا؟ اور بانیٔ فتنہ محمد بن ابی بکر اور مالک اشتر نخعی کی پوزیشن کو اتنا کیوں مضبوط کیا گیا؟ کہ وہ ہر جگہ ہر مجلس اور ہر مہم میں آپ کے ساتھ ساتھ رہتے؟ اور سیاسی اور جنگی مہموں میں پیش پیش نظر آتے تھے؟

کیا ہمارے معترضِ ناقد جو درجۂ اجتہاد پر پہنچنا چاہتے ہیں، اِس گتھی کو سلجھانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے؟

پانچویں مرحلہ میں ناقد نے اس کی کوشش کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو "خلیفہ" کے بجائے "مَلِکٌ" (بادشاہ) ثابت کرے مگر یہ بھول گئے کہ قرآن نے طالوت کو بھی مَلِکٌ کہا ہے:۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا۔ ! (پ ۲، س ۲، ع ۱۶/۳۲)	اور فرمایا بنی اسرائیل کے نبی نے اُن کو کہ بلاشک اللہ تعالےٰ نے بھیجا ہے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ بنا کر۔ !

اور حدیثِ صحیح میں ہے جس کو بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ:۔ "اَصحابِ بدر کی تعداد اَصحابِ طالوت کے برابر تھی جو اُن کے ساتھ نہر سے پار ہوئے تھے۔

وَمَا جَاوَزَهٗ إِلَّا مُؤْمِنٌ۔ !	(اور اُن میں سب کے سب مومن کامل تھے۔۔ !

معلوم ہوا کہ مَلِکٌ ہونا کوئی بُری بات نہیں۔ ہاں مَلِکِ عضوض (کاٹ کھانے والا) ہونا بُرا ہے۔ سو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ مَلِکِ عَضُوض تھے۔ اُن کا حِلم ضربُ المَثَل تھا۔ وہ تو دشمنوں کو بھی اپنے حِلم سے رام کر لیتے تھے، تو افسوں کا تو کیا ذکر؟ اُن کی سخاوت اور سیاست کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ بیس سال خلیفہ رہے اور پُورے عالَمِ اسلام میں کوئی اُن سے جھگڑا کرنے والا نہ تھا۔ انھوں نے بلانزاع اور اِختلاف کے حکومت کی۔ بعد کے خُلفاء سے مخالفتیں بھی ہوئیں بلکہ بعض علاقے

اُن کے قبضہ سے نکل بھی گئے جس سے کعبُ الاَحبار (تابعی، رحمۃ اللہ علیہ) کی اس پیشین گوئی کی تصدیق ہو گئی کہ:-

"جیسی حکومت معاویہؓ کو ملے گی ویسی کسی کو نہیں ملے گی۔!"

حافظ ذہبی مشہور محدّث فرماتے ہیں کہ:-

"کعبُ الاَحبار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کعبُ الاَحبار کو یہ بات پہلی کتابوں سے معلوم ہوئی ہوگی۔ کیونکہ وہ کُتبِ سابقہ کے بڑے عالم تھے۔"

(اَلصَّوَاعِقُ المُحرِقَة صفحہ ۱۹۳)

پھر ابن کثیر مؤرّخ و محدّث نے بعض احادیث بھی روایت کی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی پیشین گوئی فرمائی تھی

۱- امام حسنؓ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ معاویہ ولایت (حکومت) حاصل کرلیں گے۔"

۲- سعید بن المُسَیّب جلیل القدر تابعی سے روایت ہے کہ:-

"حضرت معاویہؓ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہے تھے۔ وضوء کرتے ہوئے ایک دو بار حضور نے حضرت معاویہؓ کی طرف غور سے دیکھا۔ پھر فرمایا:-

"اے معاویہ! اگر تم کو امارت مل جائے تو عدل و تقویٰ اختیار کرنا۔"

حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ:

"مجھے خلافت کی امید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارہ ہی سے ہو گئی تھی کہ۔ اے معاویہ جب تم والی بنائے جاؤ تو لوگوں کے ساتھ مروت و احسان کرنا۔"

اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت "ملکِ عضوض" (کٹ کھنی بادشاہت) میں داخل ہوتی تو آپ صاف فرما دیتے کہ۔ اگر تم کو والی بنایا جائے تو حکومت ہرگز قبول نہ کرنا۔!

ابن کثیر نے بعض احادیث ایسی بھی روایت کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائیں بھی کی ہیں۔ ایک دعاء کے الفاظ یہ ہیں:۔

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْحِسَابَ وَالْكِتَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ۔:	اے اللہ! معاویہ کو حساب و کتاب سکھا۔ اور عذاب سے بچا۔!

(حضرت معاویہ کے مناقب اور ان کے دفاع میں مستقل کتاب "تطہیر الجنان۔" لکھنے والے محدث و فقیہ) علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ حدیث حسن ہے اور اس سے معلوم ہو گیا کہ۔ اختلافی جنگوں کی وجہ سے آخرت میں بھی حضرت معاویہؓ پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔ بلکہ

ماجور ہوں گے ماٰزور (ماخوذ) نہ ہوں گے۔!

دوسری دعاء کے الفاظ یہ ہیں :-

اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْعِلْمَ وَاجْعَلْہُ ھَادِیًا مَّھْدِیًّا وَّاھْدِہٖ وَاھْدِ بِہٖ۔	اے اللہ! معاویہ کو علم (دین) عطاء فرما۔ اور اُن کو ہدایت دینے والا اور ہدایت پانے والا بنا۔ اُن کو ہدایت کر اور اُن کی وجہ سے دوسروں کو ہدایت کر۔!

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو شام کا والی بنایا اُس وقت اُن کی عمر چالیس سال سے بہت کم تھی، لوگوں نے کہا :-

"آپ اِس جوان کو اتنی بڑی حکومت دیتے ہیں؟

تو حضرت عمرؓ نے یہی حدیث پیش کی کہ :-

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ- اے اللہ! معاویہ کو ہادی مہدی بنا اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت بخش"

کہا جاتا ہے کہ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے، جس کے راوی سفینہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حضور کے آزاد کردہ غلام) ہیں، کہ :-

اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا۔!	میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی۔ پھر بادشاہی ہوگی۔

اگر اس حدیث کے ضعف سے قطع نظر کر لی جائے جیسا کہ ناقدینِ حدیث نے تصریح کی ہے تو ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے :-

قَدْ دُرَدَحَی الْاِسْلَامِ بِخَمْسٍ وَّثَلَاثِیْنَ اَوْسِتٍّ وَّثَلَاثِیْنَ اَوْسَبْعٍ وَّثَلَاثِیْنَ۔ !
(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ۔ مِشْکوٰۃ ص۲۶۵)

اسلام کی چکّی میرے بعد پنتیس ۳۵ سال یا چھتیس ۳۶ سال یا سینتیس ۳۷ سال تک چلتی رہے گی۔ !

اس کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ سینتیس ۳۷ سال کے بعد حکومت اسلام ختم ہو جائے گی۔ یہ تو واقعہ کے خلاف ہے۔ بس یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ اسلام اپنی پوری شان کے ساتھ صحیح طریقہ پر اتنی مدّت تک رہے گا۔ جو اس میں سات سال خلافتِ معاویہؓ کے بھی شامل ہیں۔ پھر اُن کو خلفاء سے الگ کیونکر کیا جا سکتا ہے؟

نیز مسلم شریف کی حدیث صحیح میں حضرت جابر بن سمرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا یَزَالُ ھٰذَا الدِّیْنُ عَزِیْزًا مَّنِیْعًا اِلٰی اِثْنَیْ عَشَرَ خَلِیْفَۃً کُلُّھُمْ مِّنْ قُرَیْشٍ۔ ! (ص ۱۱۹ / ج ۲)

یہ دینِ اسلام عزیز اور مضبوط رہے گا، بارہ ۱۲ خلفاء تک جو سب قریش سے ہوں گے۔ !

ان بارہ ۱۲ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً داخل ہیں کہ وہ صحابی ہیں اور اُن کی خلافت میں اِسلام کو عروج بھی بہت تھا۔ فتوحات بھی بہت ہوئیں۔ حدیث میں ان بارہ ۱۲ کو "خَلِیْفَۃ" کہا گیا ہے "مَلِکْ" نہیں کہا گیا۔

"مَجْمَعُ الزَّوَائِد" — اور — "جَامِعُ صَغِیْر" — میں ہے:۔

إِنَّ عِدَّةَ الْخُلَفَاءِ بَعْدِي عِدَّةُ نُقَبَاءِ مُوسٰى - !	میرے خُلفاء کی تعداد موسٰی علیہ السلام کے نُقبآء کے برابر ہے

اس سے بھی بارہ خلفاء کا خلیفہ ہونا ثابت ہے۔

قرآن میں بھی آیا ہے کہ :-

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا - !	ہم نے قومِ موسٰی میں بارہ نقیب مقرر کئے تھے - !

ناقد نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ :-

" حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت نعمان بن بشیر اُن کا خُون سے بھرا ہوا قمیص اور اُن کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی اُنگلیاں حضرت معاویہ کے پاس دمشق لے گئے تو انھوں نے یہ چیزیں منظرِ عام پر لٹکا دیں تاکہ اہلِ شام کے جذبات بھڑک اٹھیں - یہ اس بات کی کھُلی علامت تھی کہ حضرت معاویہ خونِ عثمان کا بدلہ قانون کے راستہ سے نہیں بلکہ غیر قانونی طریقہ سے لینا چاہتے ہیں - الخ "

اس (ناقد) کو سوچنا چاہیئے کہ حضرت نُعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں وہ یہ قمیص اور کٹی ہوئی انگلیاں شام کیوں لے گئے ؟ شہادتِ عثمان کی خبر ہی لوگوں میں غم و غصہ پیدا کرنے کے لئے کافی تھی - ناقد نے یہ کہاں سے سمجھ لیا کہ نعمان بن بشیر اور حضرت معاویہ اس مُظاہرہ سے حضرت علیؓ کے خلاف جذبات عامہ کو بھڑکانا چاہتے تھے ؟ بلکہ اُن کا مقصد اُن بلوائیوں مُفسدوں کے خلاف

جذبات کو بھڑکانا شامل تھیں کی اُس وقت ضرورت تھی تاکہ حضرت علی جذبات عامہ کی رعایت کر کے جلد از جلد ان بلوائیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں کیونکہ ایسے مفسدوں کا ملک میں آزادی کے ساتھ زندہ رہنا آئندہ کے لئے خطرہ کا باعث تھا چنانچہ بعد میں یہی لوگ خارجی بن کر حضرت علیؓ اور جملہ خلفاء کے لئے دردِ سر بن گئے۔

ابنِ کثیر کی روایت ہے کہ :-

" جب حضرت علیؓ نے ابو مسلم خولانی کی قیادت میں کچھ لوگوں کو حضرت مُعاویہ کے پاس اپنی بیعت کی دعوت کے لئے بھیجا تو حضرت مُعاویہ نے جواب میں فرمایا :-

" مجھے بیعت کرنے میں کوئی عذر نہیں ، خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ علی مجھ سے بہتر اور افضل ہیں اور خلافت کے بھی مجھ سے زیادہ مستحق ہیں ، مگر آپ نہیں جانتے کہ حضرت عثمان ظلماً قتل کئے گئے ہیں اور اُن کے قاتل حضرت علیؓ کے ہمراہی بن کر زندہ دندناتے پھر رہے ہیں ؟ میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ علیؓ نے (معاذ اللہ) حضرت عثمانؓ کو قتل کیا ، یا کرایا ہے ، یا سازش کی ہے۔ مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ان قاتلوں کو حضرت علی نے پناہ دے رکھی ہے۔ آج وہ قاتلینِ عثمان کو ہمارے سپرد کر دیں یا انھیں خود قتل کر دیں ، تو ہم سب اُن کی بیعت کر لیں گے۔ اور سب سے پہلے میں بیعت کر دوں گا۔ "

اِس سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت معاویہ صرف قاتلینِ عثمان کے خلاف مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانا چاہتے تھے، حضرت علی کے خلاف نہیں۔!

اس سے اُن روایات کا غلط ہونا بھی واضح ہو گیا، جو ناقد نے طبری وغیرہ سے نقل کی ہیں کہ:-

"حضرت عمرو بن العاص اور حضرت معاویہ نے مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ۔ حضرت علی کو خونِ عثمان کا ذمہ دار قرار دے کر اُن سے جنگ کی جائے"۔ یا۔ "انھوں نے پانچ گواہ تیار کیے، جنھوں نے شہادت دی کہ۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا ہے۔ یعنی قتل کرایا ہے)۔!"

یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علی کے متعلق اس قسم کی افواہیں لوگوں میں پھیل رہی ہوں، مگر یہ غلط ہے کہ حضرت معاویہ نے یہ باتیں پھیلائی تھیں۔ کیونکہ ابن کثیر کی روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ خونِ عثمان سے وہ حضرت علی کو بالکل بری سمجھتے تھے اور اُن سے بیعت کرنے کو بھی تیار تھے اگر وہ قاتلانِ عثمان کو پناہ دینے سے کنارہ کش ہو جاتے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت

اس کے بعد ناقد نے جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان کر کے لکھا ہے کہ:-

"اس جنگ (صفین) کے دوران میں ایک واقعہ ایسا پیش آگیا جس نے نصِ صریح سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر ــــــــ جو حضرت علیؓ کی طرف تھے، حضرت معاویہؓ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور حضرت عمار کے بارے میں یہ حدیث صحابہ میں مشہور تھی ــ

تقتلك الفئة الباغية | تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا!

پھر حافظ ابن حجر اور ابن کثیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ :ــ

"قتلِ عمار کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ حق حضرت علی کے ساتھ تھا۔" الخ!

مگر یہ بات صحابہ پر واضح نہیں ہوئی۔ اگر ان پر بھی واضح ہو گئی ہوتی تو پھر تحکیم کی ضرورت کیا تھی؟ اور تحکیم کے بعد بقول ناقد کے حضرت علیؓ کے نمائندے ابوموسیٰ اشعری نے یہ کیوں کہا کہ "میری رائے یہ ہے کہ ہم دونوں حضرات (علی و معاویہ) کو الگ کر کے خلافت کے مسئلہ کو مسلمانوں کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دیں، وہ جسے چاہیں منتخب کر لیں"؟ نصِ صریح کے بعد اس قسم کی تحکیم کے کچھ معنی نہیں تھے۔ کسی کو اس میں رائے زنی کا حق تھا۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ قتلِ عمار حضرت علیؓ کے حق پر ہونے اور حضرت معاویہؓ کے باغی ہونے پر صحابہ کے نزدیک نصِ صریح نہیں تھا۔

بات یہ ہے کہ جس طرح حضرت علیؓ کی فوج میں بلوائی قاتلانِ عثمان

حیلہ و تدبیر سے شامل ہو گئے تھے۔ ممکن ہے اسی طرح کچھ بلوائی فوجِ معاویہ میں بھی شامل ہو گئے ہوں۔ انھوں نے حضرت معاویہ کو بدنام کرنے کے لئے حضرت عمّار کو قتل کر دیا ہو۔ جس کی ایک دلیل تو یہی ہے کہ۔ قتلِ عمّار کے بعد بھی بات جہاں کی تہاں رہی اور کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ تحکیم پر فریقین راضی ہو گئے۔ حضرت علی نے بھی اس وقت یہ نہیں کہا کہ قتلِ عمّار سے میرا حق پر ہونا واضح ہو چکا ہے۔ اب کسی تحکیم کی ضرورت نہیں رہی۔!

دوسرے۔ "دَفَا دُ الوَفَا" میں اِس حدیث کو تہانہ وغیرہ کے حوالہ سے یوں بیان کیا گیا ہے۔

یا عمّارُ! لا یَقْتُلُکَ اَصْحَابِیْ، تَقْتُلُکَ الْفِئَةُ الْبَاغِیَةُ۔!	اے عمّار! تم کو میرے صحابی قتل نہ کریں گے، بلکہ باغی گروہ قتل کرے گا۔!

اس حدیث میں جماعتِ باغیہ کو صحابہ کے مقابلہ میں لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جماعتِ باغیہ صحابہ کے علاوہ کوئی (اور) جماعت تھی۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا قطعی ہے۔ پس اُن کو قاتلِ عمّار کہنا ایسا ہی غلط ہے، جیسا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قاتلِ عثمان کہنا غلط ہے۔

اور باغی گروہ اُس وقت بِالاِتّفاق وہ بلوائی تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے۔ پس وہی گروہ قاتلِ عمّار تھا جو خفیہ طریقہ سے فوجِ معاویہ میں شامل ہو گیا تھا۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ!

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قتلِ عمّار کی خبر سُن کر صاف فرما دیا تھا کہ

"میری فوج میں سے کسی نے بھی حضرت عمارؓ کو قتل نہیں کیا۔ میری فوج میری تابعدار ہے۔ اور میں نے اُسے سخت تاکید کر رکھی تھی کہ حضرتِ عمار پر کوئی ضرب نہ آنے پائے۔ نہ اُن پر کوئی ہتھیار اُٹھائے۔ ہاں فوجِ علی اُن کی تابعدار نہیں ہے۔ یہ اُن ہی کا فعل معلوم ہوتا ہے۔ وہی قاتلِ عمار ہیں۔!"

بہر حال حضرت معاویہ باغی نہ تھے۔ وہ طالبِ قصاص دمِ (خونِ) عثمان تھے، جن کے بارے میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آیتِ قرآنی

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا!	اور جو شخص ظلماً مار دیا جائے تو ہم نے بنا رکھا ہے اُس کے ولی وارث کے لئے مضبوط حق پھر وہ وارث (بدلہ لینے وقت) مارنے میں زیادتی نہ کرے (تو) بلاشک وہی مددیافتہ و غالب اور کامیاب رہے گا۔!
(ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۔۔۔)	

کے اشارہ سے سمجھ گئے تھے کہ اگر حضرت علیؓ نے قاتلانِ عثمان سے قصاص نہ لیا تو اُن کے مقابلہ میں حضرت معاویہ مُظفر و منصور ہوں گے۔

بس اس باب میں ہم کو وہی کہنا چاہیئے جو فتنۂ خوارج کے متعلق ایک حدیث صحیح میں وارد ہے:۔

۔۔۔	یہ جماعت اُس وقت نکلے گی

فُرْقَةٍ مِّنَ النَّاسِ يَقْتُلُهُمْ أَوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ!

جب مسلمانوں میں افتراق ہوگا اور ایک گروہ کو وہ قتل کرے گا جو دونوں فرقوں میں سے حق کے زیادہ قریب ہوگا۔

تاریخ شاہد ہے کہ فتنۂ خوارج کا مقابلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا ان کا ظہور اُس وقت ہُوا جب حضرت علی جنگِ صفین سے واپس کوفہ پہنچے، اور دوبارہ شام پر چڑھائی کی تیاری کر رہے تھے۔ یہ فتنہ اُن کے لیے مزید دردِ سر بن گیا۔ وہ اُسی فتنہ کے قلع قمع میں لگ گئے اور شام پر فوج کشی نہ کر سکے۔

حدیث میں فتنۂ خوارج کی ایک علامت بھی بتلائی گئی تھی کہ۔ اُن میں ایک کالا آدمی ہوگا، جس کا ایک ہاتھ عورت کے پستان کی طرح ہوگا۔ جب حضرت علیؓ نے لشکرِ خوارج کو شکست دیدی تو اس شخص کو تلاش کیا گیا جو بہت سی لاشوں کے نیچے دبا ہُوا تھا۔ اس کو دیکھ کر حضرت علیؓ نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور فرمایا کہ:۔

"یہی وہ جماعت ہے جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اور میرے ہاتھوں سے قتل ہوئی۔!"

تو ہم کو یہی کہنا چاہیئے کہ "حضرت علی اور حضرت مُعاویہ" رضی اللہ عنہما دونوں حق پر تھے" مگر حضرت علی حق کے زیادہ قریب تھے جیسا حنفی علماء کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما دونوں حق پر ہیں ۔ مگر۔

ابوحنیفہ حق سے زیادہ قریب ہیں۔ جملہ ائمہ مجتہدین کے بارے میں اُن کے مُعتقِدین یہی کہتے ہیں۔

صحابیؓ کی نیّت پر حملہ

آگے چل کر ناقد نے لکھا ہے کہ :۔

"حضرت عمارؓ کی شہادت کے دوسرے روز سخت معرکہ برپا ہُوا۔ جس میں حضرت معاویہؓ کی فوج شکست کے قریب پہنچ گئی تھی۔ اُس وقت حضرت عمرو بن العاص نے حضرت معاویہ کو مشورہ دیا کہ۔ اب ہماری فوج نیزوں پر قرآن اُٹھالے اور کہے :۔

"ھٰذَا حَکَمٌ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ ۔ !"	"یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حَکَم (فیصَل اور پنچ) ہے"

اِس پر ناقد کا یہ کہنا کہ ۔" یہ ایک جنگی چال تھی۔" مسلّم ہے۔ اور یہ کوئی جُرم نہیں ۔ "اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ" ۔ حدیثِ مشہور ہے کہ جنگ تدبیر اور چال ہی کا نام ہے۔ مگر یہ مسلّم نہیں کہ انھیں قرآن کو حَکَم بنانا سرے سے مقصود نہ تھا۔ یہ ۔ "صَحابی کی نیت پر حملہ ہے" ۔ جس کا ناقد کو کوئی حق نہیں ۔ قرآن کو تو ہر مسلمان حَکَم مانتا ہے۔ ایک صَحابی کے متعلق یہ خیال کرنا بڑی جرأت ہے کہ قرآن کو حَکَم بنانا اُن کا مقصد نہ تھا۔ البتہ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قتلِ عمار کا واقعہ دونوں فریق کے نزدیک کسی کے حق یا ناحق پر ہونے کی فیصلہ کُن حُجت نہ تھی۔ اب بھی قرآن کو حَکَم بنانے کی ضرورت باقی تھی

اس کے بعد ناقد نے تحکیم کے قصہ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر تنقید اور حافظ ابنِ کثیر محدث و مؤرخ کے قول کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے

"جو انصاف پسند آدمی بھی نیزوں پر قرآن اُٹھانے کی تجویز سے لے کر اُس وقت تک کی رُوداد پڑھے گا وہ مشکل ہی سے یہ مان سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اجتہاد تھا۔ الخ"

میں کہتا ہوں، جو انصاف پسند آدمی جنگِ صفین کی پوری رُوداد پڑھے گا وہ مشکل ہی سے یہ مان سکتا ہے کہ حضرت علی اُن حالات میں دونوں طرف کے عوام کو سنبھال سکتے تھے۔ اُن کے ماننے والوں کی حالت تو یہ تھی کہ نیزوں پر قرآن اُٹھا ہوا دیکھ کر اُن میں پھوٹ پڑ گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ، مگر ان میں پھوٹ پڑ کر رہی۔

اور جب مالکِ اشتر نخعی نے جو فوج علی کا کمانڈر انچیف تھا، جنگ بند کرنے سے انکار کیا تو حضرت علی کی فوج کے نالائقوں نے یہاں تک کہ دیا کہ اگر جنگ بند نہ کی گئی تو ہم آپ کو گرفتار کر کے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیں گے۔!"

پھر تحکیم کے وقت حضرت علی کا نمائندہ یہ کہتا ہے کہ:۔

میری رائے یہ ہے کہ ہم اِن دونوں (یعنی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ و معاویہ رضی اللہ عنہ) کو خلافت سے الگ کر کے اِس مسئلہ کو مسلمانوں کے مشورہ پر چھوڑ دیں۔"

جس سے معلوم ہوا کہ اُن کے خاص آدمی بھی اُن کی خلافت سے مطمئن نہ تھے کیونکہ جملہ عوام و خواص کو بخوبی سنبھالنے والا اُس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ اِس کے برعکس فوجِ معاویہ اُن کی پُوری تابعدار و مُطیع تھی۔ اور خاص و عام سب ہی اُن سے خوش تھے۔ اس حالت میں حضرت عَمْرو بن العاص نے جو کچھ کیا وہ عین تقاضائے وقت و مصلِحت تھا۔ کیونکہ آئندہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت مُعاویہ رضی اللہ نے دونوں طرف کے عوام و خواص کو بخوبی سنبھال لیا، کہ اُن کی بیس سالہ خِلافت میں کسی طرف سے بھی اُن کے خِلاف بغاوت نہیں ہوئی اور اسلامی فتوحات کا سیلاب پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا۔ حضرت معاویہ نے ایک موقع پر خود فرمایا تھا کہ:-

"مجھے علی کے مقابلہ میں تین وُجوہ سے کامیابی ہوئی۔ ایک یہ کہ میں قریش میں محبوب تھا اور وہ محبوب نہ تھے ـــ دوسرے میں اپنے رازوں کو مخفی رکھتا تھا، وہ مخفی نہ رکھتے تھے۔ (سب کے سامنے راز کی باتیں بیان کر دیا کرتے تھے) ـــ تیسرے میری جماعت دُنیا میں سب سے زیادہ مُطیع و فرمانبردار تھی اور ان کی جماعت سب سے زیادہ نافرمان تھی۔!"

جو شخص اِن حالات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرے گا وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گا کہ حضرت عَمْرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا، وقت اور مصلحت کے تقاضے کے مُوافِق کیا۔ پھر اس تحکیم کے بعد حضرت علی کی جو تقریر ناقد نے خود نقل کی ہے، اُس میں حضرت عَمْرو بن العاص پر وہ الزام نہیں لگایا گیا جو ناقد

نے لگایا ہے۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں :۔

"سُنو ! یہ دونوں صاحب جنھیں تم نے حَکَم مقرر کیا تھا، اُنھوں نے قرآن کے حُکم کو پیچھے ڈال دیا اور خدا کی ہدایت کے بغیر اُن میں سے ہر ایک نے اپنے خیالات کی پَیروی کی اور ایسا فیصلہ دیا جو کسی واضح حُجت اور سُنت ماضیہ پر مبنی نہیں ہے اور اِس فیصلہ میں دونوں نے اختلاف کیا ہے۔ اور دونوں ہی کسی صحیح فیصلہ پر نہیں پہنچے ہیں!"

اِس میں حضرت علی نے ایک حَکَمْ پر نہیں بلکہ دونوں ہی پر الزام لگایا ہے پھر کسی کو کیا حق ہے کہ کسی ایک کو مورِدِ الزام بنائیے۔ ؟

کُھلی عصبیت

اِس کے بعد ناقد نے لکھا ہے کہ :۔

"جب حضرت طلحہؓ نے حضرت علی پر الزام لگایا کہ آپ خونِ عثمان کے ذمہ دار ہیں۔ اُنھوں نے جواب میں فرمایا۔" لَعَنَ اللّٰہُ قَتَلَةَ عُثْمَانَ ۔ (عثمان کے قاتلوں پر خدا کی لعنت) لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ اُن کے ہاں تقرُّب حاصل کرنے لگے جو حضرت عثمان کو شہید کرنے کے ذمہ دار تھے۔ حتیٰ کہ اُنھوں نے مالک بن الحارث (الأشتر نخعی) اور محمد بن ابی بکر کو گورنری تک کے عہدے دیدیئے۔ درآنحالیکہ قتلِ عثمان میں اِن دونوں صاحبوں کا جو حصّہ تھا، وہ سب کو معلوم ہے۔ ممکن ہے کہ اس کے کچھ ایسے

اسباب ہوں جو آج ہمارے علم میں نہ ہوں۔ مگر دل یہی کہتا ہے، کہ کاش امیرالمؤمنین نے اس سے احتراز فرمایا ہوتا۔!"

اس پر پہلا سُوال تو یہ ہے کہ :۔

"ناقد کو بتلانا چاہیئے کہ قتلِ عثمان کے بعد کسی وقت بھی محمد بن ابی بکر اور مالکؒ اشتر نخعی حضرت علی کے تقرّب سے دُور رہے تھے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر یہ بتدریج کا لفظ کیوں لایا گیا؟"

اور دوسرا سوال یہ ہے کہ :۔

"حضرت عثمانؓ نے ایسے عُمّال مقرّر کئے جن پر سبائیوں کو اعتراض تھا تو وہاں آپ نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ممکن ہے اس کے کچھ ایسے اسباب ہوں جو آج ہمارے علم میں نہ ہوں۔ یہ "کُھلی عصبیت" نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ حضرت عثمان پر سبائیوں کے اعتراض کو وزنی قرار دیا جائے اور حضرت علی پر حضرت معاویہ اور طلحہ و زُبیر رضی اللہ عنہم کے اعتراض کو یہ کہہ کر ہلکا کر دیا جائے کہ۔ کاش امیرالمؤمنین ایسا نہ کرتے۔!

اسی کی مثال ایک دوسری عَصَبِیَّتْ بھی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے قرابت داروں کو حکومت کے مَنصَب دیئے تو اس پر سبائیوں کے اعتراض کو بڑی شدت کے ساتھ بیان کیا گیا۔ اور حضرت علیؓ نے اپنے قرابت داروں حضرت عبداللہ بن عباس و عُبیداللہ بن عباس و قُثَم بن عباس اور محمد ابن ابی بکر وغیرہم کو بڑے بڑے عہدوں اور سرفراز کیا تو ناقد نے یہ کہہ کر اسے ہلکا کر دیا کہ

"اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں رکھنے والے اصحاب میں سے ایک گروہ اُن کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا تھا۔ دوسرا گروہ مخالف کیمپ میں شامل ہو گیا تھا۔ اور تیسرے گروہ میں سے آئے دن لوگ نکل نکل کر دوسری طرف جا رہے تھے۔ ان حالات میں وہ اُنہی لوگوں سے کام لینے پر مجبور تھے۔ جن پر پوری طرح اعتماد کر سکیں۔ یہ صورتِ حال حضرت عثمان کے دور سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی۔ کیونکہ اُن کو اپنے وقت میں اُمت کے تمام ذی صلاحیت لوگوں کا مکمل تعاون حاصل تھا۔"

ہمارے ناقد کو یہ الفاظ لکھتے ہوئے سوچنا چاہیئے تھا کہ جب حضرت علیؓ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی صلاحیتوں والا گروہ تعاون نہیں کر رہا تھا۔ اور ایک گروہ مخالف کیمپ میں تھا۔ ایک گروہ آئے دن اُن سے الگ ہو رہا تھا۔ اِس صورت میں اگر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے وہ فیصلہ کیا جس پر ہمارا ناقد چراغ پا ہو رہا ہے تو کیا بیجا کیا ؟

پھر یہ بھی سوچنا چاہیئے تھا کہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تمام ذی صلاحیت لوگوں کا مکمل تعاون کیوں حاصل تھا ؟ حضرت علی کو اُن کا تعاون کیوں حاصل نہ ہوا ؟ اور بڑے بڑے ذی صلاحیت حضرات دوسرے کیمپ میں (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ) کیوں رہے ؟ اور ایک گروہ آہستہ آہستہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیوں الگ ہوتا رہا ؟

تنقید کرنا مُنہ کا نوالہ نہیں۔ اس کے لیے بڑی عمیق نظر اور وسیع علم و معرفت

کی ضرورت ہے۔ اگر وہ انصاف سے کام لیتا تو اُس کی سمجھ میں آجاتا کہ ان ہی وجوہ کی بنا پر حضرت امام حسنؓ رضی اللہ عنہ نے خلعتِ خلافت کو اپنے کندھوں سے اُتار کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر ڈال دیا تھا کہ جملہ عوام و خواص کو سنبھال لینے کی صلاحیت اُن میں سب سے زیادہ تھی اور اُن ہی کو بڑی بڑی صلاحیت والے صحابہ کا مکمل تعاون حاصل تھا۔

آخری مرحلہ میں ہمارے ناقد نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر "یزید" کو ولی عہد بنانے کی وجہ سے "ملوکیت" کا الزام قائم کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر بیٹے کو باپ کے بعد خلیفہ بنانا ہر حال میں سُنّتِ قیصر و کسریٰ ہے تو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اُن کی وفات کے قریب دریافت کیا گیا کہ:-

"آپ کے بعد ہم امام حسنؓ کو خلیفہ بنالیں؟"

تو انھوں نے لوگوں کو اس سے کیوں نہیں روکا؟ بلکہ یہ فرمایا:-

نَعَمْ ! اِنْ رَاضِیْتُمْ - !	ہاں! اگر تم اس پر راضی ہو تو بنا سکتے ہو۔ !

معلوم ہوا کہ بیٹے کا باپ کے بعد خلیفہ ہونا ہر حال میں ناجائز اور سُنّتِ قیصر و کسریٰ نہیں۔ بلکہ اگر قوم (یعنی اہلِ حل و عقد) کی رضامندی سے ایسا کیا جائے تو شرعاً کچھ حرج نہیں۔ ہمارے ناقد کو تسلیم ہے کہ یزید کی ولی عہدی کا خیال حضرت معاویہ کو از خود نہیں ہوا بلکہ دوسروں نے اسکی تحریک کی اور حضرت معاویہ نے فوراً ہی اس پر عمل نہیں کیا بلکہ لوگوں سے

برابر مشورہ کرتے رہے۔ مختلف علاقوں سے وُفود بھی طلب کئے۔ اور اسی مشورہ کی خاطر سفرِ حجاز و حرمَین بھی اختیار کیا اور بہت سوچ سمجھ کر اس معاملہ میں اقدام کیا۔ اگر اہلِ حَل و عَقد کی رِضامندی کافی تھی، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے معلوم ہوا تو اہلِ شام کی رِضامندی یزید کی بیعتِ خلافت کے لئے کیوں کافی نہ تھی؟ شام ہی اُس وقت پایۂ تختِ خلافت تھا اور اہلِ حل و عُقد یہیں موجود تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام کی رِضامندی کے بعد دُوسرے علاقوں کی رِضامندی معلوم کرنا محض احتیاط کے درجہ میں تھا ضرورت کے درجہ میں نہ تھا۔ اگر امام حَسَن رضی اللہ عنہ صرف اہلِ کُوفہ کی رِضامندی سے خلیفۂ برحق بن سکتے ہیں تو اہلِ شام کی رِضامندی سے یزید کی ولی عہدی کیوں برحق نہیں ہو سکتی؟

یہ شُبہ نہ کیا جائے کہ پھر امام حُسَین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف خُروج کیوں کیا؟ جواب یہ ہے کہ حضرت امام کو روایتیں ایسی پہنچی تھیں جن سے یزید کا فاسق ہونا لازم آتا تھا۔ اور فاسق ہونے کے بعد خلیفہ معزول ہو جاتا ہے یا مُستحقِ عَزل ہو جاتا ہے۔ بس امام کا یزید کے خلاف خُروج کرنا بالکل صحیح تھا۔

اس پر ناقد کا (مزید) یہ کہنا کہ:۔

"اپنے بیٹے کی ولی عہدی کے لئے خوف و طمع کے ذرائع سے بیعت لے کر انھوں نے (حضرت معاویہؓ نے) اس اِمکان کا (یعنی خلافت علیٰ منہاجِ النبُوت کا) بھی خاتمہ کر دیا۔" الخ

رطب و یابس روایات پر اعتماد اور حقائق سے چشم پوشی کی دلیل ہے۔
کیا وہ ثابت کر سکتا ہے کہ اہلِ شام کو یزید کی ولی عہدی پر راضی کرنے کیلئے کسی خوف یا طَمَع سے کام لیا گیا؟ یا وہ از خود ہی راضی تھے؟ اور کیا وہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اہلِ حَل و عَقد کی رضامندی کے بعد مملکت کے تمام صوبوں کی رضامندی حاصل کرنا بھی ضروری ہے؟ اگر یہ دعویٰ کیا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی ثابت نہ ہو سکے گی! کیونکہ اہلِ شام کی رضامندی اُن کو حاصل نہ تھی۔

پس اہلِ شام کے اہلِ حَل و عَقد کی رضامندی کے بعد مختلف علاقوں اور صوبوں سے وفود طلب کرنا اور اہلِ حجاز و حرمین سے استصواب رائے کے لئے خود سفر کرنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی غایتِ احتیاط کی دلیل ہے۔ اور جو روایتیں خوف یا طَمَع دلانے کی بیان کی جاتی ہیں وہ چونکہ صحابہ کی شان کے خلاف ہیں، اُن کو رَد کیا جائے گا۔ کیونکہ جو شخص بلا ضرورت محض احتیاط کی بنا پر سب مسلمانوں کی رائے معلوم کرنے کے لئے صعوبتِ سفر برداشت کر رہا ہو وہ ایسے کام نہیں کر سکتا، جو تقویٰ اور احتیاط کے خلاف ہیں۔

خلاصہ و تنبیہ

غالباً اِس تفصیل سے ہمارے ناقد کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اوّل تو غیر صحابی کو صحابی پر

تنقید کرنے کا حق نہیں ،

خطائے بزرگاں گرفتن خطا ست!

پھر تنقید میں تصویر کے دونوں رُخ کا دیکھنا ضروری ہے۔ ایک ہی رُخ کا دیکھنا کافی نہیں۔ حضرت معاویہ کے کمالِ تدبّر اور دیانت و امانت کے لئے یہی بڑی دلیل ہے کہ اُنھوں نے اپنی آٹھ دس سالہ امارت کے زمانہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے امامِ عادل ۔ أَشَدُّهُمْ فِي أَمْرِ اللّٰهِ ۔ متبعِ سُنّت خلیفہ راشد کو کسی گرفت کا موقع نہیں دیا۔ جب حضرت عمر نے شام کا دورہ کیا تو آپ کو شکایت پہنچی کہ ۔ حضرت معاویہ بڑے کرّوفر سے رہتے ہیں اور حاجتمندوں کی حاجت روائی میں تاخیر کرتے ہیں۔ حضرت عُمر نے اُن سے وجہ دریافت فرمائی تو اُنھوں نے عرض کیا کہ :-

" آپ کو صحیح اطلاع ملی ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایسے ملک میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس بے شمار ہیں۔ یہاں کے حالات کا تقاضی یہ ہے کہ ہم سلام اور مسلمانوں کے وقار کو قائم رکھنے کے لئے ظاہری شان و شوکت سے رہیں۔ اور ہر شخص کو جلد باریاب کر کے جَری اور گستاخ نہ ہونے دیں اب اگر آپ حکم دیں گے تو میں اِس طرز کو قائم رکھوں گا۔ ورنہ چھوڑ دوں گا۔"

حضرت عمر نے فرمایا :-

" اے معاویہ ! میں تم سے جو بات پوچھتا ہوں ، اس میں تم اُلٹا مجھی کو اُلجھا دیتے ہو۔ اگر تم سچ کہہ رہے ہو، تو یہ ایک عقلمندی کی رائے ہے۔ جو تم کو بتلائی گئی ہے۔ اور اگر یہ بات غلط ہے ، تو

پھر یہ ایک جہاں ہے۔"

حضرت معاویہ نے عرض کیا:۔

"تو پھر آپ ہی کوئی قطعی حکم ارشاد فرمائیں؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

"میں اس بارے میں نہ تم کو کوئی حکم دیتا ہوں، نہ روکتا ہوں۔!"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جو اُس وقت وہاں موجود تھے، فرمایا کہ:۔

"جس بات میں خلیفہ نے آپ کو پھنسانا چاہا تھا۔ اُس سے آپ بڑی خوبی کے ساتھ نکل گئے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:۔

"اِن کی اِن صلاحیتوں کی وجہ ہی سے تو ہم نے اِن کو اتنی بڑی ذمہ داری سپرد کر رکھی ہے" (ابن کثیر جلد ۸ ص ۱۲۵)

حضرت عمرؓ کی یہ رائے عالی حضرت مُعاویہؓ کے کمال صلاحیت و قابلیت کے لئے بڑی سند ہے۔ ایک بار کسی نے حضرت عمرؓ کے سامنے اُن کی بُرائی کی تو فرمایا:۔

"جانے بھی دو! وہ قریش کے جوانمرد اور سردارِ قریش کے بیٹے ہیں۔ وہ غصہ میں بھی ہنس دیتے ہیں۔ اور جو کچھ اُن کے پاس ہے۔ وہ اُن سے نہیں لیا جا سکتا۔!" (ابن کثیر جلد ۸ ص ۱۲۴)

اِن ہی صلاحیتوں کی وجہ سے امام مظلوم حضرت عثمان۔ شہید رضی اللہ عنہ

نے اپنی خلافت میں اُن کو شام کی گورنری پر بدستور قائم رکھا، جو ہمارے ناقد کی نظروں میں بہت کھٹک رہا ہے۔

خاتمہ!

اب میں اس بحث کو ختم کرتا ہوں اور ناقد کو نصیحت کرتا ہوں، کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنا چھوڑ دیں۔ سب کا ادب ملحوظ رکھیں۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اِس ارشاد پر عمل کریں کہ:-

تِلْكَ دِمَآءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ عَنْهَا سُيُوْفَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا أَلْسِنَتَنَا - !	اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کے خون سے ہماری تلواروں کو پاک رکھا ہے تو ہمیں اپنی زبانوں کو بھی اس سے پاک رکھنا چاہیئے۔ !
تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ، لَهَا مَا كَسَبَتْ، وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ، وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا	وہ (جماعتِ صحابہ) ایک اُمّت تھی جو گزر چکی۔ اُنکے لئے ہے جو (نیکیوں کا ذخیرہ) کمایا انھوں نے، اور تمہارے لئے ہے جو کمایا تم نے۔ اور تم سے کچھ (بھی) پوچھا نہیں جائیگا، اُن

يَعْمَلُوْنَ ٥
(پ ع ۱۵/۱۹)

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ٥ !

(سورۃ الحشر پ ۲۸ ع ۱/۲)

کاموں کے بارہ میں جو کیے انھوں نے۔

اے ہمارے پالنہار! پردے ڈالئے ہمارے گناہوں پر اور معاف کر دیجئے ہمیں اور ہمارے اُن (اسلام کے) بھائیوں (صحابہ و تابعین) کو جو ہم سے بازی لے گئے پہلے ایمان لانے میں، اور نہ ہونے دیجئے ہمارے دلوں میں کوئی بیر دشمنی اُن ایمان والوں کیلئے۔ اے ہمارے پالنہار! بلاشک آپ ہی ہیں نرمی اور میانہ روی کرنے والے مہربان۔)

اگر ناقد نے اس موضوع پر قلم نہ اُٹھایا ہوتا تو میں اس پر ہرگز کچھ نہ لکھتا مگر مجبوراً مجھے قلم اُٹھانا پڑا تاکہ عوام میں غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ اور وہ حضرت عثمان، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کا بھی ویسا ہی احترام ملحوظ رکھیں جیسا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا احترام کرتے ہیں کہ ہمارے سب ہی بزرگ ہیں اور بارگاہِ رسالت کے سب ہی محبوب ہیں۔ وَالسَّلَامُ !

ظفر احمد عثمانی
عفا اللہ عنہ

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ

{نقل مطابق اصل مخطوطہ و منقول از ششش اقساط مختلفہ "شہاب" لاہور۔ شمارہ ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵ جلد ۱۳ - بابت ۵/ ۱۹/ ۲۶ ستمبر - ۳ / ۱۰ / ۱۷ اکتوبر ۱۹۶۵ء}

"تتمہ براءتِ عثمان رضی اللہ عنہ"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ ! شوال ۱۳۸۶ھ میں مجھے ڈھاکا کا سفر پیش آیا تو وہاں سیرت امام مظلوم سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مؤلفہ سید نور الحسن بخاری) نظر سے گذری جس میں مؤلف نے ہر روایت کا پورا حوالہ دیا ہے، تو میں نے اس میں سے چند مضامین قلم بند کر لئے جو براءت عثمانؓ کے مناسب تھے چنانچہ بطور تتمہ براءتِ عثمانؓ ان کو ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے

(۱) جو لوگ ترمذی کی حدیث

اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً۔ خلافت میرے بعد تیس ۳۰ سال رہے گی۔

سے حضرت معاویہؓ کی خلافت کو ملوکیت قرار دیتے ہیں وہ ذرہ اس حدیث

پر بھی غور فرمائیں جس کو امام ترمذی و ابوداؤد نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ :

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ترازو آسمان سے اتری اور آپ اور حضرت ابوبکرؓ تولے گئے تو آپ کا وزن زیادہ رہا، پھر ابوبکرؓ و عمرؓ تولے گئے تو ابوبکرؓ کا وزن زیادہ رہا، پھر عمرؓ و عثمانؓ تولے گئے تو عمرؓ کا وزن زیادہ رہا پھر وہ ترازو اٹھالی گئی۔ اس خواب کو سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ ہوئے اور فرمایا :

خلافۃ نبوۃ ثم یوتی اللہ الملک من یشاء (مشکوٰۃ باب مناقب ابی بکر و عمرؓ)	یہ خلافت نبوت ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ جسے چاہیگا بادشاہت عطا فرمائیگا۔

اس حدیث کے متعلق چند معروضات ہیں :

(الف) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے بعد خلافت عثمان کی کا درجہ ہے، جس سے ان لوگوں کا خیال رد ہوگیا، کہ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانا اچھا ہوتا۔

(ب) حضرت عثمان کے بعد ملوکیت ہوگی۔ ہر چند کہ خلافت راشدہ کا اختتام سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ہوتا ہے اور بالاتفاق آپ کی خلافت

بھی خلافت راشدہ ہے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سیدنا حضرت عثمان کی خلافت تک خلافت راشدہ کا ایک خاص اعلیٰ درجہ تھا جسے لسان نبوت نے خلافت نبوت فرمایا ہے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح میں اس کا نام خلافت راشدہ خاصہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ختم ہو گئی۔

(ج) اگرچہ یہ ایک صحابی کا خواب ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد نہیں فرمایا بلکہ اس کو صحیح مان کر اس کی تعبیر بھی ارشاد فرمائی اس لئے اس کے حجت ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا۔

(د) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب کو سن کر رنجیدہ کیوں ہوئے؟ اس کا سبب واللہ اعلم یہ ہے کہ حضور کو یہ معلوم کر کے رنج ہوا کہ خلافت راشدہ خاصہ کی مدت تین خلفاء پر ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد خلافت کی وہ شان نہ رہے گی جو خلفاء ثلاثہ کے عہد میں ہوگی، چنانچہ اس کے بعد مسلمان کافروں سے لڑنے کے بجائے آپس میں لڑنے لگے۔ تا آنکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں دے دی تو پھر بر و بحر میں اسلامی جھنڈا لہراتا ہوا نظر آنے لگا اور فتوحات اسلامیہ کا دروازہ کھل گیا۔

(۶) امام ابو داؤد نے حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج کی رات ایک نیک آدمی کو خواب دکھلایا گیا

کہ ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے لٹکائے گئے ہیں ، اور عمرؓ ابوبکرؓ کے دامن سے لٹکائے گئے ہیں ۔ اور عثمانؓ عمرؓ کے دامن سے لٹکائے گئے ہیں ، پھر جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو اصحاب رسول نے آپس میں کہا کہ وہ نیک آدمی (جس کو خواب دکھلایا گیا) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ایک کا دوسرے کے دامن سے لٹکنا ،

فَهُمْ وُلَاةُ الْأَمْرِ الَّذِي بَعَثَ	تو یہ لوگ اس دین کے امیر
اللّٰهُ بِهٖ نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	ہیں ، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے
وَسَلَّمَ (مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب الثلاثہ)	اپنے نبی کو مبعوث فرمایا ہے

غرض ان حضرات کی خلافت کے تذکرے خود عہد رسالت میں اصحاب رسول کی مجالس میں رہتے تھے اور وحی الٰہی خاموش تھی ۔ اگر صحابہ کرام کا یہ تاثر غلط ہوتا تو وحی الٰہی یقیناً اس کی اصلاح کر دیتی ۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ ہی کی خلافت کا درجہ ہے ، پھر اجماع صحابہؓ نے اس حقیقت کو اچھی طرح واضح کر دیا ۔ جب اصحاب شوریٰ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کے سپرد یہ خدمت کی کہ وہ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک کو خلافت کے لئے نامزد کر دیں ، تو انہوں نے اپنا فرض نہایت جانفشانی ، شبانہ روز محنت اور امانت و دیانت کے ساتھ ادا کیا یہاں تک کہ تین راتوں تک ان کو آرام کا موقع نہ ملا ۔ آخری رات میں

تو وہ ارکینِ مجلسِ مشاورت اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ رضی اللہ عنہم سے اذانِ فجر تک مصروفِ گفتگو رہے۔ انہوں نے صرف مجلس مشاورت کے معزز ارکین ہی سے مشورہ نہیں کیا، بلکہ مہاجرین وانصار اور عامۃ المسلمین سے بھی تبادلۂ خیالات کرتے رہے، تیسرے دن لوگوں نے نماز صبح ادا کی اور اہل مجلسِ شوریٰ منبرِ نبویؐ کے قریب جمع ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے مدینہ طیبہ میں موجود مہاجرین وانصار کو بلا بھیجا اور سردارانِ لشکر کو بھی جنہوں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ اس سال حج کیا تھا، جب سب جمع ہو گئے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے خطبہ پڑھا، پھر کہا:

أَمَّا بَعْدُ يَا عَلِيُّ إِنِّي قَدْ نَظَرْتُ فِي أَمْرِ النَّاسِ فَلَمْ أَرَهُمْ يَعْدِلُونَ بِعُثْمَانَ، (أحمد ۱)	اے علیؓ! ہم نے لوگوں کے اس معاملے میں کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے کافی غور کیا تو جہاں تک میں نے دیکھا ہے وہ عثمانؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔

حضرت عثمانؓ کا انتخاب ارکین مجلس شوریٰ اور حضرات مہاجرین وانصار، سردارانِ فوج اور عامۃ المسلمین کی موجودگی میں ہوا اور آپ کی خلافت پر اجماعِ امت ہو گیا۔ اس لئے امام بخاریؒ نے اس باب کا نام ہی قِصَّةُ الْبَيْعَةِ وَالِاتِّفَاقُ عَلَى عُثْمَانَ رکھا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا

کر ان سب کے نزدیک حضرت عثمانؓ اس وقت سب سے افضل تھے۔ گویا حضرات شیخین کے بعد افضلیتِ عثمان پر امت کا اجماع ہو گیا ہے۔

(۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صحابہ میں بلکہ پورے عرب میں سب سے زیادہ مالدار تھے مگر اس مال سے انہوں نے غرباء اور فقراء کی کس قدر خدمت اور امداد کی؟ تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ ایک بار حضرت عثمانؓ نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ....

إِنِّي قَدْ وَلِيتُ وَإِنِّي أَكْثَرُ الْعَرَبِ بَعِيرًا وَشَاةً فَمَا لِي الْيَوْمَ شَاةٌ وَلَا بَعِيرٌ غَيْرَ بَعِيرَيْنِ لِحَجِّي۔	میں جس وقت خلیفہ بنایا گیا اس وقت عرب بھر میں سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا اور آج میرے پاس نہ اونٹ ہے نہ بکری) سوا دو اونٹوں کے جو حج کے لئے رکھ چھوڑے ہیں۔
طبری ص ۳۸۴ ج ۳	

حیاتِ رسولؐ میں بئرِ رومہ کو یہودی سے ~~پینتیس~~ ۳۵ ہزار میں خرید کر وقف کر دیا تاکہ مسلمان میٹھے پانی کو نہ ترسیں اور غزوہ تبوک میں نو سو ~~پچاس~~ ۹۵۰ اونٹوں سے مجاہدین کی مدد کی اور پچاس ۵۰ گھوڑے دے کر ہزار کا عدد پورا کر دیا۔ دوسری روایت میں ایک ہزار ۱۰۰۰ اونٹ اور ستر ۷۰ گھوڑے دینا

مذکور ہے۔ اس کے علاوہ ہزاروں روپیہ نقد بھی دیا، جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بہت دعائیں دیں اور جنت کی بشارت بھی (الاستیعاب ذکر عثمان)

مسجد نبوی بہت تنگ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ہے جو فلاں فلاں آدمیوں کا قطعۂ زمین (جو مسجد سے متصل تھا، خرید کر مسجد میں شامل کردے؟ اسے جنت میں اس سے بہتر ملے گا۔ حضرت عثمان نے بیس پچیس ہزار روپے میں خرید کر مسجد نبوی میں شامل کر دیا۔

(ترمذی نسائی بحوالہ مشکوٰۃ باب مناقب عثمان)

ایک بار خلافت صدیقی میں سخت قحط پڑا۔ مدینہ والے بہت پریشان تھے۔ ایک دن حضرت صدیق نے فرمایا کہ آج شام تک تمہاری پریشانی دور ہو جائے ——— اسی دن حضرت عثمان کے ایک ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے شام سے آئے۔ مدینہ کے تاجر خریداری کے لئے پہنچے حضرت عثمان نے فرمایا کہ تم مجھے کتنا نفع دے سکتے ہو؟ انہوں نے کہا دس کے پندرہ دے سکتے ہیں۔ فرمایا مجھے ایک روپیہ پر دس سے سات سو تک مل رہا ہے۔ تم پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ یہ سب غلہ اللہ کی راہ میں فقرا مدینہ کو دے رہا ہوں (سیرت خلفاء راشدین)

ایک بار جہاد میں ناداری کی وجہ سے مسلمان پریشان تھے۔ حضرت

عثمانؓ نے چودہ اونٹوں پر سامانِ خورونوش بار کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ جب عام لوگوں پر اس طرح سخاوت کے دریا بہا رہے تھے تو اعزہ اقارب کس طرح محروم رہ سکتے تھے؟ چنانچہ اعزہ اور اقارب کی بھی دل کھول کر مدد فرمائی۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا "میں جس کو جو کچھ دیتا ہوں اپنے ذاتی مال سے دیتا ہوں۔ مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں، نہ اور کسی کے لئے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانے میں بھی اسی طرح گراں قدر عطیات دیا کرتا تھا۔" (طبری ص ۳۰۵۰)

حضرت مرّہؓ بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے، جبکہ آپ آئندہ آنے والے فتنوں کا ذکر اس طرح فرما رہے تھے گویا وہ بہت ہی قریب آنے والے ہیں۔ اسی درمیان میں ایک شخص سر پر کپڑا ڈالے ہوئے گذرا آپ نے فرمایا "یہ ان ایام میں یہ ہدایت پر ہوگا" میں اس کی طرف گیا تو دیکھا تو عثمانؓ غنی ہیں۔ میں نے ان کا رخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر کر کہا کہ وہ یہی ہیں "جو ایام فتنہ میں حق پر ہوں گے؟ حضور نے فرمایا ہاں وہ یہی ہیں" (ترمذی و ابن ماجہ) امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ اس حدیث نے فیصلہ کر دیا کہ حضرت عثمانؓ پر طعن کرنے والے باطل پر،

شانِ معاویہ رضی اللہ عنہ

اس باب میں مفصل گفتگو کرنے سے پہلے میں ہفتہ وار اخبار "ایشیا"
کی خاص اشاعت سے جو ۲۶ / جنوری ۱۹۶۵ء مطابق ۴ / شوال ۱۳۸۶ھ
میں رویت ہلال کے متعلق ظہور پذیر ہوئی ہے۔ فاضل مدیر کے اداریہ سے
جس کا عنوان "تحقیق کا تیر" ہے۔ ایک مختصر اقتباس درج ذیل کرنا چاہتا
ہوں۔ فاضل مدیر نے ایک محقق ڈاکٹر کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مسجد ضرار" انہدام دین کی سازش تھی۔ تعبیر کا کوئی علمی اختلاف نہ تھا
کیا قرآن کے اس بیان کی روشنی میں (جو مسجد ضرار کے متعلق سورۂ براءت
میں موجود ہے) بتایا جا سکتا ہے کہ مسجد ضرار کی مثال کو رویت ہلال کمیٹی کے اعلان
سے اختلاف پر چسپاں کیسے کر دیا گیا۔ کیا جناب محقق کے نزدیک تعبیر کا ہر اختلاف
مسجد ضرار کے حکم میں آگیا ہے؟ درآں حالیکہ خیر القرون میں بھی جلیل القدر صحابہ
کے درمیان اختلاف تعبیر کی بنا پر تلواریں میانوں سے (نیاموں سے) نکل آئی تھیں
کیا وہ سب ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے مطابق شعوری یا غیر شعوری طور پر

اور حضرت عثمانؓ حق پر تھے۔ اب کسی طٰہٰ یا سید قطب وغیرہ کی ہرزہ سرائی محض لغو ہے اور ان کا اتباع کرنے والے سراسر بے انصاف ہیں۔

شانِ معاویہ رضی اللہ عنہ

اس باب میں مفصل گفتگو کرنے سے پہلے میں ہفتہ وار اخبار ایشیا کی خاص اشاعت سے جو ۲۶ جنوری ۱۹۶۷ء مطابق ۴ شوال ۱۳۸۶ھ میں رویت ہلال کے متعلق ظہور پذیر ہوئی ہے۔ فاضل مدیر کے اداریہ سے جس کا عنوان "تحقیق کا تیر" ہے۔ ایک مختصر اقتباس درج ذیل کرنا چاہتا ہوں۔ فاضل مدیر نے ایک محقق ڈاکٹر کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مسجد ضرار" انہدام دین کی سازش تھی۔ تعبیر کا کوئی علمی اختلاف تھا کیا قرآن کے اس بیان کی روشنی میں (جو مسجد ضرار کے متعلق سورۃ براءت میں موجود ہے) بتایا جا سکتا ہے کہ مسجد ضرار کی مثال کو رویت ہلال کمیٹی کے اعلان سے اختلاف پر چسپاں کیسے کر دیا گیا۔ کیا جناب محقق کے نزدیک تعبیر کا ہر اختلاف مسجد ضرار کے حکم میں آ سکتا ہے؟ درآں حالیکہ خیر القرون میں بھی جلیل القدر صحابہ کے درمیان اختلاف تعبیر کی بنا پر تلواریں میانوں سے (نیاموں سے) نکل آئی تھیں کیا وہ سب ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے مطابق شعوری یا غیر شعوری طور پر

مسجد ضرار کی تعمیر میں کوشاں تھیں ...... ؟

غور کیجیے، قرونِ اولیٰ کے وہ باہم متحارب گروہ آج ہماری نگاہوں میں کیوں مقدس و محترم اور بزرگ و ذیشان ہیں۔ اس لئے کہ ان کا اختلاف انتشار کے لئے نہ تھا اتباع دین کے لئے تھا۔ اس میں کوئی ذاتی غرض نہ تھی بلکہ دین کی غرض تھی۔ وہ اختلاف کرتے تھے کہ ان میں مسابقت تھی کہ کون دین کے منشا کو زیادہ سے زیادہ صحیح طور پر پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے اختلاف میں کوئی تلخی بھی آجاتی تو وہ باعثِ زجر نہیں، باعث اجر ہے۔" صنا۲

فاضل مدیر کا صحابہ کے دو متحارب گروہوں کے متعلق یہ عقیدہ ہمارے عقیدہ کے بالکل موافق ہے۔ کاش ! مولانا مودودی اور ماہر القادری صاحب بھی اس عقیدہ پر مستقیم رہتے تو نہ مجھے "برأت عثمان" لکھنے کی ضرورت پیش آتی نہ میرے فرزند مولوی قمر احمد عثمانی کو "تذکرۂ یاراں" لکھنے کی نوبت آتی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید و اعتراض کے تیر برسانے والوں کو یہ حقیقت معلوم نہیں کہ اسلامی بحری بیڑے کی بنیاد قائم کرنے کا سہرا انہی کے سر ہے۔ ان کی فطرت عالمگیر تھی۔ ان کی ہمت عالی کا تقاضا یہ تھا کہ ایشیا سے نکل کر یورپ اور افریقہ تک اشاعت اسلام کی راہیں ہموار کی جائیں۔ آپ کی دور اندیشی اور فراست کا فیصلہ یہ تھا کہ اگر اسلام کو غالب کرنا اور روم کی شوکت و سطوتِ پارینہ کو پاؤں تلے کچلنا ہے تو اس کے لئے اسلامی بحری بیڑا کو وجود میں لانا

از بس ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے عہدِ فاروقی ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بحری بیڑے کی تیاری کی اجازت طلب کی۔ مگر حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کی خیر خواہی کے جذبہ کے پیشِ نظر اس کی اجازت نہ دی۔ امام طبری نے بسند بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرؓ سے بحری جنگ کی بہ اصرار درخواست کی اور اس کی ترغیب دی اور کہا: "امیر المومنین مملکت روم کی سرحد حمص سے جو اسلامی مملکت ہے اس قدر قریب ہے کہ حمص کی ایک بستی کے لوگ روم کے کتوں کے بھونکنے اور مرغوں کی اذان کی آواز سنتے ہیں۔ روم کا ساحل حمص کے ساحل سے ملا ہوا ہے۔ ان حالات میں مملکت اسلام کا امن و سکون ہمیشہ خطرہ میں رہیگا۔ اسلئے اسلامی مفاد اور تحفظِ مملکت کے پیشِ نظر رومی مقبوضات پر بحری حملہ ناگزیر ہے، اس کی اجازت دی جائے۔" حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاص سے جنہیں بحری سفر کا تجربہ تھا، سمندری سفر کے حالات اور اس کی کیفیت اور منافع و مفاد معلوم کرنا چاہے۔ انہوں نے لکھا "میری رائے میں ایک عظیم مخلوق (سمندر) پر ایک ننھی سی مخلوق (کشتی) اس طرح سوار ہوتی ہے کہ اوپر آسمان اور نیچے پانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ لوگ اس میں اس طرح سوار ہوتے ہیں جیسے ایک کیڑا لکڑی پر سوار ہوتا ہے۔ اگر لکڑی ذرا بھی پلٹ جائے تو کیڑا ڈوب جائے اور اگر خیر و سلامتی سے کنارے لگ جائے تو کیڑا حیران ہو کر رہ جائے۔" یہ جواب حضرت عمرؓ نے پڑھ کر حضرت معاویہؓ کو لکھا:

لَا وَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ لَا أَحْمِلُ عَلَيْهِ مُسْلِمًا أَبَدًا۔

نہیں! اس خدا کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں کسی مسلمان کو سمندر میں کبھی سوار نہ کروں گا۔

دوسری روایت میں ہے:

فَكَيْفَ أَحْمِلُ الْجُنُودَ فِي هٰذَا الْمُسْتَصْعَبِ وَتَاللهِ لَمُسْلِمٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا حَوَتْهُ الرُّوْمُ فَإِيَّاكَ أَنْ تَعْرِضَ لِي وَقَدْ تَقَدَّمْتُ إِلَيْكَ فَكَانَ تَقَدَّمَ إِلَيْهِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔

میں ایسے خطرناک سمندر پر لشکرِ اسلامی کو کیسے سوار کر سکتا ہوں؛ واللہ! مجھے ایک مسلمان کی جان بھی رومیوں کی ساری دولت سے زیادہ محبوب ہے۔ آئندہ مجھ سے اس قسم کی درخواست نہ کرنا، میں پہلے بھی تم کو لکھ چکا ہوں۔

له۔ اس جگہ فاضل مؤلف نے مِمَّا حَوَتْهُ الرُّوْمُ کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ حَوَتْهُمْ کو حُوْتٌ پڑھ لیا اور ترجمہ روم کی مچھلی کر دیا۔ ایسی غلطیاں ترجمہ میں اور بھی کئی جگہ ہیں۔ ۱۱ط

اس جواب سے خلیفۂ اسلام کی اپنی رعیت سے جس محبت کا اظہار ہو رہا ہے، محتاج تشریح نہیں۔ اسی لئے وہ رعایا کے محبوب تھے۔ دوسری طرف حضرت معاویہؓ کا بلند ترین نظریہ بھی قابل ملاحظہ ہے کہ آپ کے نزدیک کفر کی شکست و موت اور اسلام کی بقاء و ترقی کے لئے بحری جہاد ناگزیر تھا۔ لہٰذا بار بار یہ اصرار و تکرار وہ حضرت عمرؓ سے بحری غزوات کی اجازت طلب کرتے رہیں، اور یہ کہ جب کفار کو بحری سفر سے ڈر نہیں لگتا۔ اور رومیوں نے بہت بڑا جنگی بیڑا تیار کر لیا ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان ان سے مرعوب ہو کر ان کے مقابلہ کے لئے بحری بیڑا تیار نہ کریں اور کافروں کو سمندر پار تک اپنی تجارت اور اپنے باطل مذہب کے پھیلانے کی اجازت دے دیں۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم کی وفات کے بعد جب حضرت عثمانؓ مسند اقتدار پر متمکن ہوئے تو حضرت معاویہؓ نے اپنا مطالبہ ان کے سامنے پیش کیا اور جب امام عالی مقام سے اپنا مطالبہ منوا نہیں لیا برابر اس کو پیش کرتے رہے حضرت عثمانؓ بحری جہاد کی ضرورت سے بے خبر نہ تھے، مگر مسلمانوں کی جان ان کو بھی ویسی ہی عزیز و محبوب تھی جیسی حضرت عمرؓ کو۔ اس لئے اس شرط کے ساتھ اجازت دی گئی کہ نہ تو لوگوں کو اپنی رائے سے منتخب کیا جائے نہ ان میں قرعہ اندازی کی جائے بلکہ انہیں اختیار دیا جائے کہ جو کوئی خوشی سے ثواب کی خاطر بحری جہاد کے لئے تیار ہو اسے لیا جائے اور اس کی ہر طرح امداد و معاونت کی جائے

حضرت معاویہؓ نے ایسا ہی کیا اور عبداللہ بن قیس الحارثی کو امیر البحر بنا دیا انہوں نے سردی اور گرمی میں پچاس بحری لڑائیاں لڑیں، جن میں ایک آدمی بھی غرق نہ ہوا اور نہ ہی کسی کو کوئی مصیبت پیش آئی۔ وہ دعا کرتے رہتے تھے، کہ اللہ تعالیٰ ان کے لشکر کو خیر و عافیت سے رکھے اور ان میں سے کسی کو بھی مصیبت میں مبتلا نہ کرے، اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور ایسا ہی ہوا۔

(صفحہ ۳۱۶ جبری)۔

اللہ اللہ!! جب فاروقِ اعظمؓ اور عثمانؓ ذوالنورین اور حضرت معاویہؓ جیسے خیر خواہ اور خیر اندیش امیر المومنین ہوں اور حضرت عبداللہ بن قیس جیسے مخلص اور نیک، مقبول بارگاہ الٰہی امیر البحر ہوں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت موسلا دھار بارش کیوں نہ برسے۔ خیر و برکت اور رحمت و نصرت کی حد ہو گئی کہ بحر روم کو شب و روز جولانگاہ بنا رکھا ہے۔ پچاس لڑائیاں لڑی ہیں۔ مگر نہ تو پوری فوج میں سے ایک آدمی کام آیا، نہ ہی پورے لشکر کا کوئی فرد زخمی ہوا۔ بہر حال حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کی سب شرطیں منظور کر کے عظیم الشان بحری بیڑا تیار کیا اور ۲۸ھ میں پہلا اسلامی بحری بیڑا پہلی دفعہ بحر روم میں اترا اور اس طرح افریقہ اور یورپ کی سرزمین پر حضرت معاویہ کی ہمت اور بلند حوصلگی کے طفیل اسلامی جھنڈا سمندر میں لہرانے لگا اور دین کی تبلیغ واشاعت کے امکانات دور دراز علاقوں تک پیدا ہو گئے۔ قبرص ساحل شام کے نزدیک

بحر ابیض میں ایک نہایت سرسبز و شاداب جزیرہ ہے، جس کا رقبہ ۳۰۲۹
مربع میل ہے۔ حضرت معاویہؓ نے بحری بیڑا لیکر سب سے پہلے ۲۸ھ میں
اس جزیرہ پر حملہ کیا۔ اہل قبرص نے سات ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی، اور
چار سال بعد ۳۲ھ میں قبرسیوں نے مسلمانوں کے خلاف رومیوں کو جنگی مدد
دی ۳۳ھ میں حضرت معاویہؓ نے پھر پانچ سو جہازوں کے عظیم الشان بیڑے
کے ساتھ حملہ کر کے قبرص کو فتح کر لیا اور بارہ ہزار مسلمانوں کی ایک نو آبادی
قائم کر دی۔ بعلبک کے بہت سے مسلمان بھی نقل مکانی کر کے چلے آئے۔ یہاں
ایک شہر آباد کیا اور مساجد تعمیر کیں (فتوح البلدان ص ۱۶۰)

علامہ طبری نے واقدی کے حوالہ سے نقل کیا ہے (اور واقدی مغازی میں
حجت ہے) کہ حضرت معاویہؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے روم سے بحری جہاد کیا
اور اہل قبرص سے خلافت عثمانؓ میں صلح کی، شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی
کہ وہ ہمارے دشمن رومیوں سے شادی بیاہ تک بھی بغیر اجازت نہیں کر سکیں
گے (طبری ج ۵ ص ۲۱۹) درحقیقت یہ حضرت معاویہؓ کی کتاب فضائل کا روشن ترین
باب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسلام و مسلمین کی خدمت و عظمت اور کفر و
کافرین کی شکست و ذلت اور نکبت و رسوائی کے لئے ہی پیدا کیا تھا۔" روما
جیسی پرانی باعظمت و قوت سلطنت کو زیر و زبر کر کے رومی مقبوضات پر
اسلامی جھنڈا لہرانا اور اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لئے یورپ کا دروازہ

کھول دینا آپ کا وہ شاہکار ہے جس نے آپ کو بہت عظیم و رفیع مقام پر کھڑا کر دیا ہے اور لسانِ نبوت سے بشارت عظمیٰ کا مستحق بنا دیا۔" (بخاری شریف کتاب الجہاد باب قتال الروم) میں ام حرام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا قَالَتْ أُمُّ حَرَامٍ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَنَا فِيهِمْ؟ قَالَ أَنْتِ فِيهِمْ. ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلُ الْجَيْشِ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ فَقُلْتُ أَنَا فِيهِمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: لَا."

میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا ان کے لئے جنت واجب ہو گئی۔ ام حرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ، میں ان میں شامل ہوں گی؟ فرمایا ہاں تو ان میں سے ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر جہاد کرے گا مغفور ہے۔ (یعنی بخشا ہوا ہے) ام حرام نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ان میں سے بھی ہوں گی؟ فرمایا نہیں۔"

"علامہ قسطلانی" شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ "پہلا لشکر جس نے بحری جہاد

لیا وہ حضرت معاویہؓ کا لشکر ہے اور سب سے پہلے جس نے مدینہ قیصر
قسطنطنیہ پر جہاد کیا، یزید بن معاویہ تھا۔ ان کے ساتھ اجلہ صحابہؓ کی ایک
جماعت تھی، جن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ
بن زبیر اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے"۔ حافظ
ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے "کہ مہلب
نے کہا۔ اس حدیث سے حضرت معاویہؓ کی بڑی شان ثابت ہوتی ہے
کیونکہ آپ ہی نے سب سے پہلے بحری جہاد کیا ہے، نیز اس حدیث سے
آپ کے بیٹے یزید کی بھی بڑی منقبت ثابت ہوتی ہے کیونکہ سب سے
پہلے مدینہ قیصر پر جہاد اسی نے کیا کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ اس لشکر کا امیر
یزید تھا۔ یہ حدیث جو صحیح بخاری کی کتاب الجہاد میں تین مقامات پر اور
صحیح مسلم میں کتاب الامارت کے موقع پر اور کتب صحاح اور غیر صحاح میں بھی
موجود ہے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ اس کو حضور نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی نبوت پر بڑی دلیل قرار دیتے ہیں کہ جیسے فرمایا تھا ویسے ہی ظہور
میں آیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد لشکر معاویہؓ ہے
جبکہ انہوں نے ۲۸ھ میں بعہد عثمانؓ قبرص پر چڑھائی کی اور اسے فتح کیا اور
ام حرامؓ اپنے شوہر عبادہؓ بن الصامتؓ کے ساتھ اس لشکر میں شامل تھیں
حضرت ام حرامؓ اسی جہاد میں واپسی کے وقت شہید ہوئیں اور ان کی قبر آج

آج تک قبرص میں موجود ہے ۔ دوسرے لشکر کے امیر یزید بن معاویہؓ تھے
یعنی غزوہ قسطنطنیہ میں

قَالَ وَھٰذَا مِنْ اَعْظَمِ دَلَآئِلِ النُّبُوَّۃِ ۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حضور کی نبوت پر بہت بڑی دلیل ہے

دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک پیشگوئی اور پھر سنہ ۲۸ھ اور سنہ ۵۲ھ میں اس کی ہو بہو تصدیق دلائل نبوت میں سے بہت بڑی دلیل اور معجزات رسالت میں سے ایک بڑا معجزہ ہے۔ سبحان اللہ! حضرت معاویہؓ کی بھی کیا شان ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دو بحری غزوات کی پیشگوئی فرمائی وہ دونوں آپ ہی کے حصے میں آئے۔ ایک سنہ ۲۸ھ میں آپ کی قیادت میں اور دوسرا سنہ ۵۲ھ میں آپ کی خلافت میں ہوا۔ حضرت معاویہؓ کی لڑائیاں اور ان کے نتیجے میں یہ بحری معرکہ آرائیاں کتنی مبارک اور عند اللہ کتنی مقبول ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں بھی ان کے نظارے فرما رہے ہیں، اور یہ نظارے بھی کیسے مبارک ہیں جو حضورؐ کی مسرت قلبی اور سرورِ روحانی کا باعث ہیں۔ کہ حضورؐ ان کو دیکھ کر تبسم فرماتے ہوئے بیدار ہوتے ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حضرت عثمانؓ اور سیدنا حضرت معاویہؓ کی خلافت برحق ہے اور ان کے عہد خلافت اور دورِ ولایت میں جتنے غزوات ہوئے ہیں وہ اسلامی غزوات اور جہاد فی سبیل اللہ ہیں۔ کیونکہ ان دونوں غزوات کو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے فی سبیل اللہ فرمایا اور دونوں لشکروں کو جنت اور مغفرت کی بشارت سے نوازا ہے۔ دونوں غزوات کے مجاہدین کا نظارہ محبوبِ خدا کی مسرت و شادمانی کا سبب ہوا ہے۔ جو لوگ حضرت معاویہ کے عہدِ خلافت کو ملوکیت اور شاہی سے تعبیر کرتے ہیں اور آپ کے غزوات کو جہاد فی سبیل اللہ کی بجائے ملک گیری کی ہوس کا مظاہرہ قرار دیتے ہیں اور حضرت معاویہ کو معاذ اللہ صرف دنیا طلب بادشاہ سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ گمان باطل اور سراسر وسوسہ ہے اگر ان کی نیت میں فتور اور دل میں کھوٹ نہیں ہے تو وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مبارک الفاظ میں غور کریں، جس کے سمجھنے کے بعد کسی قسم کا وہم و شبہ نہیں ہو سکتا۔

فتوحاتِ عثمانی

فتوحات کے لحاظ سے عہدِ عثمانی کے بعد سے آج تک عہدِ عثمانی کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ حضرت فاروقِ اعظم نے اپنی حسنِ تدبیر اور غیر معمولی سیاسی قوتِ عمل سے روم و ایران کے دفتر الٹ دیئے ——— ان کی دولت و سلطنت مسلمانوں کا ورثہ بن گئی۔ دولتِ کیانی صفحۂ ہستی سے مٹ گئی، لیکن کیا یہ ممکن ہے، کہ فاتح قوم کا ایک ہی سیلاب مفتوح اقوام کے احساسِ خودی گزر چنگیز، تیمور نے بھی عالم کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ مگر ان کی

صلی اللہ علیہ وسلم نے فی سبیل اللہ فرمایا اور دونوں لشکروں کو جنت اور مغفرت کی بشارت سے نوازا ہے۔ دونوں غزوات کے مجاہدین کا نظارہ محبوب خدا کی مسرت و شادمانی کا سبب ہوا ہے۔ جو لوگ حضرت معاویہ کے عہدِ خلافت کو ملوکیت اور شاہی سے تعبیر کرتے ہیں اور آپ کے غزوات کو جہاد فی سبیل اللہ کی بجائے ملک گیری کی ہوس کا مظاہرہ قرار دیتے ہیں اور حضرت معاویہ کو معاذ اللہ صرف دنیا طلب بادشاہ سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ گمان باطل اور سراسر وسوسہ ہے۔ اگر ان کی نیت میں فتور اور دل میں کھوٹ نہیں ہے تو وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مبارک الفاظ میں غور کریں، جس کے صحیح ہونے میں کسی قسم کا وہم و شبہ نہیں ہو سکتا۔

اور غزوۂ قسطنطنیہ کی دلی خواہش تھی. حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے غزوۂ ہندوستان کا وعدہ فرمایا ہے، حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اگر میں نے اس غزوہ کا وقت پا لیا تو میں اپنی جان و مال اس میں خرچ کر دوں گا، اگر مارا گیا تو افضل ترین شہداء میں ہوں گا. اور اگر زندہ سلامت فتح کے ساتھ واپس ہو گیا تو دوزخ سے آزاد کیا ہوا ابوہریرہ ہوں گا. (مسند احمد ص۲۲۹ ج۲ و نسائی کتاب الجہاد، مستدرک حاکم ص۵۱۴ ج۳ والجو[illegible] جمع الفوائد) حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں دو جماعتیں ہیں. جن کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے آزاد کر دیا ہے. ایک وہ جماعت ہے جو ہندوستان پر جہاد کرے گی. دوسری وہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ (دجال سے) جہاد کرے گی. (نسائی کتاب الجہاد ص۶۳ ج۲) اور قسطنطنیہ کے بارے میں بخاریؒ کی حدیث گزر چکی ہے کہ پہلا لشکر جو مدینۂ قیصر قسطنطنیہ پر حملہ کرے گا وہ مغفور لہم (بخشا بخشایا) ہے. اس لئے حضرت عثمانؓ نے کابل و مکران فتح کر کے ہندوستان کا راستہ ہموار کر دیا اور اندلس فتح کر کے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کا راستہ کھول دیا. چنانچہ افریقہ کی فتح کے بعد حضرت عثمانؓ نے عثمانؓ بن عبداللہ بن نافع بن الحصینؓ اور عبداللہ بن نافع بن عبد قیس کو فوراً اندلس کی طرف روانہ کیا. وہ دونوں سمندر کے راستے اندلس پہنچے تو ان کو حضرت عثمانؓ نے

پناہ لے کر اس کے ہاتھ سے یا کسی دوسرے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ایران کی فتح تکمیل کو پہنچ گئی تو اس کے متصلہ ممالک میں، افغانستان، خراسان فتح ہو گئے اور ترکستان کا ایک حصہ بھی زیر نگیں ہو گیا۔ دوسری سمت آرمینیہ، آذربائیجان مفتوح ہو کر اسلامی سرحد کوہ قاف تک پھیل گئی۔ اسی طرح ایشیائے کوچک کا ایک وسیع خطہ ملک شام میں شامل کیا گیا۔ بحری فتوحات کا آغاز تو حضرت عثمانؓ ہی کے عہد خلافت سے ہوا۔ آپ کی اولوالعزمی اور عالی حوصلگی نے خطرات سے بے پروا ہو کر عظیم الشان جنگی بیڑا تیار کر کے پہلے قبرص پر اسلامی جھنڈا لہرایا، پھر ایک دوسری بحری جنگ میں قیصر روم کے جنگی بیڑے کو جس میں پانچ سو جنگی جہاز تھے ایسی شکست فاش دی کہ پھر رومیوں کو اس جرأت کے ساتھ بحری حملہ کی ہمت نہ ہوئی۔ غزوات و فتوحات کے اعتبار سے عہد عثمانی تاریخ اسلام کا مثالی دور ہے۔ فتوحات کا ایک طوفان تھا، جو اطراف و اکناف عالم سے مدینہ طیبہ کی طرف امڈا چلا آ رہا تھا۔ ایشیا، افریقہ، یورپ تینوں براعظموں میں امام عالی مقام نے اپنی کشور کشائی و جہانگیری کی خداداد صلاحیتوں کا پورا مظاہرہ کیا۔ کسریٰ و قیصر کے اقتدار کا جنازہ نکال دیا۔ ان کی بساط سیاست کو الٹ کر اسلام کو مشرق و مغرب میں غالب اور متمکن کر دیا۔ کوہ قاف سے جبل الطارق تک لاکھوں مربع میل کی وسیع سرزمین پر تبلیغ دین کا دروازہ کھول دیا، اور سب کچھ اس لئے کیا کہ ان کو معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوۂ تبوک

فتوحات کیوں نقش بر آب ہو گئیں۔ یہ ایک تاریخی نکتہ ہے کہ جب اولوالعزم
فاتح کا جانشین ویسا ہی اولوالعزم اور عالی حوصلہ نہیں ہوتا، تو اس کی فتوحات
صرف ایک وقتی نمائش ہوتی ہیں۔ اس بنا پر جانشینِ فاروقؓ کا سب سے بڑا
کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ممالکِ مفتوحہ میں حکومت و سلطنت کی بنیاد مستحکم کی
اور مفتوح اقوام کے جذبۂ خودسری کو رفتہ رفتہ اپنی حسنِ تدبیر اور حسنِ عمل سے
اس طرح ختم کر دیا کہ مسلمانوں کی باہمی کشمکش کے موقع میں بھی انہیں سرتابی کی جرأت
نہ ہوئی۔ حضرت عثمانؓ کو بڑی کثرت سے بغاوتیں فرو کرنا پڑیں۔ مصر میں بغاوت
ہوئی، اہلِ آرمینیہ و آذربائیجان نے خراج دینا بند کر دیا۔ اہلِ خراسان نے سرکشی
اختیار کی۔ یہ تمام بغاوتیں دراصل اسی جذبہ کا نتیجہ تھیں، جو مفتوح ہونے کے
بعد بھی اقوام کے جذبۂ آزادی کو برانگیختہ کرتا رہتا ہے، لیکن حضرت عثمانؓ نے
تمام بغاوتوں کو نہایت ہوشیاری سے فرو کیا۔ آہستہ آہستہ تشدد اور نرمی
کی حکمتِ عملی سے مفتوحہ ممالک کو اطاعت و انقیاد پر مجبور کر دیا۔ عہدِ عثمانی
میں ممالکِ محروسہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع ہوا۔ افریقہ میں طرابلس، برقہ،
اور مراکش مفتوح ہوئے۔ ایران کی فتح جو کسریٰ کے زندہ بچ جانے کی وجہ سے
نامکمل تھی، پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ حضرت عثمان نے عبداللہ بن عامر کو کسریٰ کے گرفتار
یا قتل کر دینے پر مامور کیا۔ عبداللہ بن عامر نے اس کا ایسا تعاقب کیا کہ وہ مارا مارا
پھرتا رہا، جہاں بھی گیا اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ بالآخر ایک چکی پیسنے والے کے گھر میں

ایک خط میں لکھا ...... "اما بعد! بلاشبہ قسطنطنیہ سمندر کے راستے اندلس کی طرف سے فتح ہوگا اگر تم نے اندلس کو فتح کرلیا تو آخرت میں تم بھی فاتحین قسطنطنیہ کے ساتھ اجر و ثواب میں شریک ہوگے، والسلام"

چنانچہ اسلامی افواج نے افریقہ کے بربریوں کے ساتھ بحر و بر سے اندلس پر حملہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور اندلس افریقہ کی طرح اسلامی سلطنت میں شامل ہوگیا۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ وَلَہُ الشُّکْرُ وَالثَّنَاءُ الْحَسَنُ ۔

کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ نے جبکہ وہ سمندر عبور کر کے اندلس جا رہے تھے، فرمایا جو لوگ اندلس فتح کریں گے وہ قیامت کے دن اپنے نور سے پہچانے جائیں گے۔ (طبری و تاریخ ابن کثیر)

فتوحاتِ عثمانی کا مفصل حال اردو میں "سیرت امام مظلوم سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ" سے معلوم کرنا چاہیے جس کا حوالہ اس تتمہ کے شروع میں دے چکا ہوں، اب اس دعا پر تتمہ کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانانِ پاکستان کو غزوۂ ہند کی توفیق دے اور اپنی مدد سے پاکستان کو دارالاسلام بنا دے، مسلمانانِ پاکستان کو جذبۂ جہادِ اسلامی عطا فرمائے جس میں رضائے حق اور جذبۂ اعلاء کلمۃ اللہ کے سوا اور کوئی نفسانی غرض شامل نہ ہو اور اس ناچیز کو بھی اس جہاد میں شامل ہونے کی توفیق اور طاقت و قوت عطا فرمائے۔ آمین

وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

وَالسَّلَام! ظفر احمد عثمانی عفا اللہ تعالیٰ عنہ

مقیم دارالعلوم الاسلامیہ، اشرف آباد ٹنڈو اللہ یار، ضلع حیدرآباد سندھ

۲ محرم ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۶۷ء

ملنے کے پتے



مکتبہ صدیقیہ سبزی بازار حضرو، اٹک

مظہری کتب خانہ، گلشنِ اقبال، بلاک ۲ کراچی

عمران اکیڈمی ــــ مکتبہ رحمانیہ

سبحانی اکیڈمی ــــ مکتبہ قاسمیہ

ہادی کتب خانہ ــــ مکتبہ مدنیہ

اردو بازار ــــ لاہور